بیادگار: آبروئے قلم حضرت مولانا محمد عثمان معروفی رحمۃ اللہ علیہ متوفی جون 2001ء
ان کا جو فرض ہے وہ اہلِ سیاست جانیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے
رمضان۔۔۱۴۴۴ھ۔اپریل ۲۰۲۳۔جلد ۲۔شمارہ 4

ماہنامہ ''پیغام'' پورہ معروف

سفرنامہ نمبر

سرپرست: مولانا شبیر احمد مشتاق، شیخ الحدیث جامعہ ام حبیبہ، پورہ معروف
مدیر: مولانا انصار احمد معروفی---نائب مدیر: مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی
مجلس ادارت: مولانا نوشاد احمد معروفی، مولانا ڈاکٹر محمد حمران اعظمی، مولانا ابوہریرہ یوسفی

----------وضاحت----------

ماہنامہ پیغام کا یہ شمارہ ''سفرنامہ نمبر'' ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سفرنامے کی وجہ سے یہ کوئی ضخیم نمبر ہو، جس میں دسیوں مضامین سفر سے متعلق شامل ہوں، بلکہ عموماً سابقہ شماروں کی جتنی اس کی ضخامت ہے، البتہ مضامین سفر سے ہی متعلق ہیں، میں نے اسے سفرنامہ بنانے کے لیے اپنے دو سیاح دوستوں کو اصرار کر کے مضمون لکھنے کے لیے آمادہ کیا، مضمون وقت پر نہ ملنے اور رمضان کی مصروفیات کی وجہ سے شمارہ تاخیر سے شائع ہو رہا ہے، دو سفرنامہ تو تازہ اور نیا ہے، جب کہ برادرم مولانا اسعد الاعظمی کا سفرنامہ انیس سو اٹھانوے کا ہے، مگر ان کی قوت یادداشت کی وجہ سے ابھی تازہ سفر کا کوئی سفرنامہ جیسا لگتا ہے، حالانکہ وہ تقریباً چھبیس سال قبل کی سیاحت کی روداد ہے، جسے اب قلم بند کیا گیا ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

قرآن کریم سے اعراض کی سزا

قرآن کریم ذکر اللہ ہے اور اللہ پاک کی قربت کا مضبوط ذریعہ ہے، جو شخص اس کلام الٰہی سے منہ موڑے، اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے، قرآن کریم میں اللہ پاک نے خود اس کا اعلان کیا ہے، وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ سورہ طٰہٰ، ۱۲۵۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا تو یقیناً اس کی زندگی بہت تنگی میں گزرے گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے وہ کہے گا اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں (تو دنیا میں دیکھنے والا تھا اللہ فرمائے گا اسی طرح تیرے پاس دنیا میں میری نشانیاں آئیں تھیں تو تو نے ان کو فراموش کر دیا تھا اور اسی طرح آج تجھے بھی فراموش کر دیا جائے گا اور جو شخص اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے اور حد سے تجاوز کرے ہم اسی طرح اس کو سزا دیتے ہیں اور بیشک آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور بہت باقی رہنے والا ہے (طہٰ: 124-127)

ذکر سے مراد اور ''ضنک'' کا معنی: آیت سے متعلق تفسیر مختلف کتابوں سے پیش خدمت ہے: ''میرے ذکر'' سے مراد ہے میرا دین اور میری کتاب کی تلاوت، اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنا اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے اسلام کے دین برحق ہونے پر جو دلائل نازل کئے گئے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ذکر

سے مراد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات گرامی ہے، کیونکہ ذکر آپ ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

'ضنکا" ضنک کا معنی ہے تنگی اور اس کا معنی زکام بھی ہے۔ (المفردات ج ۲ ص 390) ابوعبیدہ نے کہا اس کا معنی ہے تنگی میں بسر ہونے والی زندگی۔ ہر زندگی جو تنگی میں بسر ہو، یا تنگ جگہ ہو یا تنگ منزل ہو اس کو ضنک کہتے ہیں۔ زجاج نے کہا ضنک کی لغت میں اصل ہے، تنگی اور سختی۔ (زاد المسیر ج ۵ ص 330-331) مفسرین نے کہا تنگی میں زندگی گزرنے کے تین محمل ہیں دنیا میں، قبر میں آخرت میں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان سب جگہوں پر اس کی زندگی گزرنے کے تین محمل ہیں دنیا میں، قبر میں، آخرت میں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان سب جگہوں پر اس کی زندگی تنگی سے گزرے یا اکثر جگہوں پر اس کی زندگی تنگی سے گزرے۔

کافر کی تنگ زندگی کا محمل دنیا میں،، اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ کافر کی زندگی دنیا میں تنگی کے ساتھ گزرے گی اس لئے کہ مسلمان کو اللہ پر توکل اور اعتماد ہوتا ہے اور وہ جس حال میں بھی ہو وہ پرسکون اور خوش رہتا ہے قرآن مجید میں ہے:

من عمل صالحاً من ذکر اوانثی وھو مومن فلنحینہ حیوۃ طیبۃ (النحل:97) جو شخص نیک عمل کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو، تو ہم اس کو ضرور اچھی اور پرسکون زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے۔

اور جو شخص کافر ہوتا ہے وہ دنیا کے جمع کرنے پر حریص ہوتا ہے اور ہر وقت دنیا کے مال میں زیادتی کا طلب ہوتا ہے اور چونکہ اس کی نظر صرف دنیا پر ہوتی ہے آخرت پر نہیں ہوتی تو اس کو ہر وقت یہ فکر رہتی ہے کہ کہیں اس کا یہ مال اور دولت اور اس کی سلطنت اس سے زائل نہ ہو جائے۔

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار دنیا میں تنگی اور تنگ دستی کی زندگی گزاریں گے اور مسلمان کشادگی اور خوشحالی کی زندگی گزاریں گے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں معاملہ اس کے برعکس ہے کفار دنیا میں کشادگی اور خوشحالی کی زندگی گزار رہے ہیں اور مسلمان معاشی تنگی اور تنگدستی کا شکار ہیں اور حدیث میں بھی یہی ہے کہ نیک لوگ دنیا میں مصائب کا شکار ہوں گے۔

مصعب بن سعد (رض) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کون سے لوگ زیادہ مصائب میں مبتلا ہوں گے؟ آپ نے فرمایا انبیاء پھر جو ان کے زیادہ قریب ہو اور پھر جو ان کے زیادہ قریب ہو، انسان اپنے دین کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے اگر اس کے دین میں صلابت (سختی اور جماؤ) ہو تو اس کی مصیبت زیادہ سخت ہوگی اور اگر اس کی دین میں نرمی ہو تو وہ اس کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوگا، بندہ پر اس طرح مصائب آتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ اس حال میں زمین پر چلے گا کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ (سنن الترمذی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا سب سے زیادہ مصائب میں انبیاء مبتلا ہوتے ہیں پھر علماء پھر وہ جو ان کے زیادہ قریب ہوں، پھر وہ جو ان کے زیادہ قریب ہوں۔ (المستدرک)

اس کا جواب یہ ہے کہ ضنکا" کا مطلب تنگ دستی نہیں ہے بلکہ زندگی کی تنگ گزران ہے، یہ درست ہے کہ کفار اور مشرکین نے مال و دولت کے انبار جمع کر لئے مگر ان کو طمانیت قلب اور ذہنی سکون حاصل نہیں ہے وہ بہ ظاہر عیش و عشرت میں ہیں لیکن ان کا دل غمگین اور پریشان رہتا ہے، وہ شب و روز مال و دولت اور منصب اور اقتدار کے حصول میں سرگرداں رہتے ہیں پھر ان کو اس کی حفاظت کی فکر رہتی ہے، وہ جو ندیاوی مال و متاع حاصل کرتے ہیں اس کے لئے ہزاروں قسم کے ناجائز ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا ضمیر مجرم رہتا ہے اور وہ اطمینان اور سکون سے محروم رہتے ہیں۔

امام عبد بن حمید اور امام ابن ابی حاتم نے "معیشۃ ضنکا" کی تفسیر میں روایت کیا ہے اس سے مراد برے عمل اور رزق خبیث ہے۔ الدر المنثور ج ۵ ص 609، (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص 2440)

کافر کی تنگ زندگی کا محمل قبر میں: حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کیا تم یہ جانتے ہو کہ یہ آیت کن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے، فان لہ معیشۃ ضنکا اور کیا تم جانتے ہو کہ معیشت ضنک کیا ہے صحابہ نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، آپ

نے فرمایا یہ قبر میں کافر کا عذاب ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے کافر پر ننانوے تنین مسلط کئے جائیں گے، کیا تم جانتے ہو کہ تنین کیا ہیں؟ وہ ننانوے سانپ ہیں، ہر سانپ کے ننانوے پھن ہیں، وہ اس کے جسم میں پھونکیں ماریں گے اور قیامت تک اس کو ڈستے اور نوچتے رہیں گے۔ (جامع البیان) حافظ سیوطی نے امام عبدالرزاق کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ کافر کی قبر اس پر تنگ ہوجائے گی حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دور سے میں گھس جائیں گی۔ (الدرالمنثور ج ٥ ص 607، مطبوعہ دارالفکر بیروت، 1414ھ)

کافر کی تنگ زندگی کا محمل آخرت میں: حضرت ابن عباس (رض) نے بیان فرمایا ہے کہ کافر کی زندگی دوزخ میں بڑی سختی سے گزرے گی ان کو کھانے کے لئے کانٹے دار بدبودار درخت اور تھوہر کے درخت ملیں گے۔ (زادالمسیر) نیز حضرت ابن عباس (رض) سے مروی ہے کہ معیشت ضنک یہ ہے کہ کافر پر خیر کے دروازے تنگ کردیئے جائیں گے وہ کسی خیر کے دروازہ کی راہ نہیں پائے گا۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ شبلی سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ جب تم اہل بلاء کو دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے عافت طلب کرو تو شبلی نے کہ کا اہل بلا سے مراد اہل غفلت ہیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے نفسوں کی طرف لوٹا دے گا اور اس سے زیادہ اور کون سی معیشت تنگ اور سخت ہوگی کہ انسانکو اس کے نفس کے سپرد کردیا جائے، عطا نے کہا معیشت ضنک کافر کی معیشت ہے کیونکہ اس کا ثواب پر یقین ہوتا ہے نہ عذاب پر۔

اور اگر یہ مراد ہو کہ کافر دنیا، قبر اور آخرت میں تنگی کی زندگی گزارتا ہے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا گناہ کی سزا کی تین قسمیں ہیں، معیشت کا تنگ ہونا، بہت زیادہ مشکلات کا شکار ہونا اور بغیر اللہ کی معصیت کے روزی کا حاصل نہ ہونا۔ (تفسیر کبیر) از: تبیان القرآن۔

ہالینڈ اور گھانا کا ایک یادگار سفر

مولانا اسعد الاعظمی

اپریل 1998 میں راقم السطور کو یورپ کے شہر ایمسٹرڈیم کے راستے افریقی ملک گھانا جانے اور وہاں چند دن قیام کرنے کا موقع ملا. میں ان دنوں دہلی میں "افریقی وایشیائی ممالک کی تنظیم برائے دیہی ترقی" کے مرکزی دفتر میں ٹرانسلیشن آفیسر کی حیثیت سے کام کرتا تھا. یہ تنظیم ایک بین الاقوامی اور بین الحکومتی ادارہ ہے جس کو مختصراً آردو (AARDO) کے نام سے جانا جاتا ہے. اس ادارے میں افریقہ اور ایشیا کے 32 ممالک ممبر ہیں اور ہندوستان اس کے بانی ممبران میں شامل ہے. یہ ادارہ اپنے رکن ملکوں میں دیہی اور زراعتی ترقی اور غربت وبے روزگاری کے خاتمے کے لیے منصوبے بناتا اور ان کو عملی جامہ پہناتا ہے. اس مقصد کے لیے مختلف ملکوں میں ورکشاپ اور ٹریننگ پروگرام بھی منعقد کیے جاتے ہیں. ادارے کی مجلس عاملہ کے سالانہ اجلاس کی میزبانی ہر سال کوئی ایک ممبر ملک کرتا ہے. 1998 میں مجلس عاملہ کا اجلاس ''گھانا'' کے دارالحکومت اکرا (Accra) میں منعقد ہونا تھا، اور اس میں شرکت کے لیے تنظیم کے مرکزی دفتر سے سکریٹری جنرل کے ساتھ جو چند افراد گھانا گئے تھے ان میں راقم بھی شامل تھا. ہمارے سفر اور قیام وطعام کے تمام اخراجات ادارے کے ذمہ تھے. اس وقت دہلی سے اکرا کا دوطرفہ ہوائی ٹکٹ تقریباً 80 ہزار روپے کا تھا جو 1998 میں ایک بڑی رقم تھی. سفر کے دوران وفد کے تمام افراد کو روزمرہ کی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے ایک الاؤنس بھی ملتا تھا، جس میں سے ہم لوگ کچھ پیسے بچا بھی لیتے تھے.

یہ راقم کا دوسرا بیرونی سفر تھا. اس سے پہلے دسمبر 1997 میں آردو نے مجھے ایک ٹریننگ پروگرام میں شرکت کے لیے اسلام آباد (پاکستان) بھی بھیجا تھا. اسلام آباد میں 12 دن قیام کے دوران سیر وتفریح کے لیے راولپنڈی اور پشاور بھی جانا ہوا تھا. پاکستان کے شہروں میں تقریباً سب کچھ ہندوستان ہی

جیسا تھا، اس لیے وہاں قیام کے دوران یہ محسوس ہی نہیں ہوا کہ ہم کسی اجنبی ملک میں ہیں۔لیکن ایمسٹرڈیم اور اکرا کا سفر بہت مختلف تھا۔اس سفر کے دوران بہت کچھ نیا دیکھنے کو ملا، اور راقم پر زندگی میں پہلی بار تجربے اور مشاہدے سے یہ حقیقت روشن ہوئی کہ دنیا کتنی وسیع وعریض، اور کتنی متنوع اور بوقلموں ہے۔

دہلی سے اکرا کے لیے کوئی ڈائریکٹ فلائٹ نہیں تھی، اس لیے جاتے ہوئے ہم لوگ براہ ایمسٹرڈیم گئے تھے اور واپسی براہ دبئی ہوئی تھی۔دفتر کے دوستوں نے پروگرام اس طرح بنایا تھا کہ جاتے ہوئے ایک دن ایمسٹرڈیم کی سیر کرنے اور واپسی کے دوران کچھ گھنٹے دبئی میں رکنے اور شاپنگ کرنے کا موقع بھی مل جائے۔دہلی سے تقریباً 9 گھنٹے کی فلائٹ کے بعد ہم لوگ صبح سویرے ایمسٹرڈیم پہنچے، اور وقت کی کمی کے پیش نظر ہوٹل میں سامان رکھ کر اور ہلکا پھلکا ناشتہ کر کے فوراً ہی شہر کی سیر کے لیے نکل پڑے۔

ایمسٹرڈیم، نیدرلینڈز (ہالینڈ) کا دارالحکومت اور یورپ کے مرکزی شہروں میں سے ایک ہے۔اس شہر میں قدم رکھتے ہی یہ احساس ہوا کہ ہم ایک نئی دنیا اور نئی تہذیب وثقافت کی سرحدوں میں داخل ہو گئے ہیں۔ایمسٹرڈیم کے وسیع وعریض اور مصروف ترین ایرپورٹ کو دیکھ کر میں حیران وششدر رہ گیا۔ایرپورٹ کیا تھا، ایک پورا شہر آباد تھا۔ہر لمحہ کوئی فلائٹ ٹیک آف یا لینڈ کر رہی تھی۔مسافروں کے غول کے غول آ رہے تھے اور جا رہے تھے، لیکن ایرپورٹ کا نظام اتنا مستحکم تھا کہ ہمیں کسی پریشانی یا دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔اس وقت تک ہمارے دہلی کے انٹرنیشنل ایرپورٹ کی توسیع نہیں ہوئی تھی، اور ہمارا ملک ابھی ترقی کے میدان میں دنیا کے ملکوں سے بہت پیچھے تھا۔ایمسٹرڈیم جیسے صاف ستھرے اور چمکتے دمکتے شہر کو دیکھ کر مجھے اپنے ملک کے پچھڑے پن کا بہت احساس ہوا۔ایمسٹرڈیم کی ہر شے میں صفائی، جدت اور ترتیب وسلیقہ صاف نظر آتا تھا۔ایرپورٹ کے دفاتر ہوں، ہوٹل کا کمرہ ہو، یا شہر کی سڑکیں اور مواصلات کے ذرائع، ہر جگہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہم لوگ ایک ترقی پذیر ملک سے دنیا کے ایک ترقی یافتہ ملک میں آ گئے ہیں۔ترقی کا ایک نمونہ یہ دیکھنے کو ملا کہ ہم لوگوں کو اخراجات کے لیے مقامی کرنسی کی ضرورت تھی، تو ہم نے ایرپورٹ پر ایک مشین میں اپنے ڈالر ڈال دیئے اور مشین نے ہمیں سیکنڈوں میں ڈالر کی قیمت کے مقامی سکے دے دیے۔ہم نے اس وقت تک ہندوستان میں ATM مشین کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ایرپورٹ پر ضروری کارروائی کے لئے ہم جس کاؤنٹر پر بھی لائن میں کھڑے ہوئے، اس کا نظم وضبط دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔کاؤنٹر پر بیٹھے ملازمین وملازمات اتنے مستعد اور چاق وچوبند اور اتنے خوش اخلاق نظر آئے کہ ہندوستان میں ہم ایسے خندہ جبیں اور لوگوں کی مدد کا جذبہ رکھنے والے سرکاری ملازمین کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

ایمسٹرڈیم ایک تاریخی شہر ہے۔17 ویں صدی عیسوی میں اس شہر کو دنیا کی ایک اہم بندرگاہ اور مالیات وتجارت کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔یہ شہر سب سے زیادہ اپنی نہروں اور ان کے کنارے بنے ہوئے خوبصورت گھروں کے لیے جانا جاتا ہے۔کئی سو کلومیٹر طویل یہ نہریں 17 ویں صدی میں منصوبہ بند طریقے سے بنائی گئی تھیں۔ان نہروں اور آبی گزرگاہوں پر سیکڑوں چھوٹے بڑے پل بنے ہوئے ہیں۔پرانا شہر پوری طرح نہروں سے گھرا ہوا ہے جن میں سیاحوں سے بھری کشتیاں گھومتی رہتی ہیں۔آپ بوٹ یا کشتی پر سوار ہو کر شہر کی سیر سے محظوظ اور اس کے دلکش نظاروں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ایمسٹرڈیم کی نہریں عالمی ثقافتی ورثہ کی فہرست میں شامل ہیں۔

اس شہر کی ایک اور خصوصیت اس کی آزادہ روی اور فنون لطیفہ سے اس کا قدیم اور گہرا رشتہ ہے۔یہاں درجنوں آرٹ میوزیم اور عجائب گھر ہیں۔یہ جان کر تعجب ہوا کہ یہاں ایک جنسی آلات کا میوزیم بھی ہے۔ایمسٹرڈیم اپنے بازار حسن کے لیے بھی شہرت رکھتا ہے، یہاں جسم فروشی کو عرصۂ دراز سے قانونی حیثیت حاصل ہے۔ہم لوگ پرانے شہر کی سیر کرتے ہوئے ایک سڑک پر پہنچے تو پتہ چلا کہ یہ ریڈ لائٹ ایریا ہے۔یہاں کی عمارتوں کے دروازے شیشے کے بنے ہوئے تھے۔معلوم ہوا کہ شام ڈھلے یہاں رونق شروع ہوتی ہے، اور طوائفیں سج دھج کر ان شیشے کے دروازوں پر آ کر کھڑی ہوتی ہیں۔ہم نے اس علاقے سے جلد از جلد آگے نکل جانے میں عافیت سمجھی۔

پرانے شہر کی سیر کرتے کرتے جب بھوک کا احساس ہوا تو کسی ریسٹورنٹ کی تلاش شروع ہوئی۔خوش قسمتی سے گاندھی نام کا ایک انڈین ریستوران مل گیا۔ہم لوگ خوشی خوشی اس میں داخل ہوئے، لیکن جب کھانے کی قیمتوں کا ہندوستانی روپے سے حساب لگایا تو ہمارے ہوش اڑ گئے۔قیمت اتنی زیادہ تھی

کہ ہمارا ڈیلی الاؤنس ایک وقت کے کھانے میں ہی صرف ہو جاتا۔ مجبوراً ہم لوگوں نے کم سے کم کھانے کا آرڈر دیا اور شکم سیر ہونے کے بجائے ریستوراں کی خوبصورتی سے نگاہوں کی پیاس بجھا کر اس کو خدا حافظ کہا۔

ایمسٹرڈیم کو پھولوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں پھولوں کی بہت بڑی منڈی ہے۔ ہم نے لوکل ٹرین میں سفر کرتے ہوئے شہر کے گرد و نواح میں ٹیولپ (گلِ لالہ) کے کھیتوں کا نظارہ کیا جو بڑا خوبصورت منظر پیش کر رہے تھے۔ ہالینڈ میں ٹیولپ کے سرخ پھولوں کا ایک بہت بڑا باغ ہے جس کو عالمی شہرت حاصل ہے۔ اس کو گارڈن آف یورپ یعنی باغِ یورپ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ قابلِ ذکر ہے کہ کشمیر کے گلِ لالہ بھی دنیا بھر میں شہرت رکھتے ہیں۔

1998 کی دنیا بہت پر امن تھی، ایر پورٹ پر یا شہروں کے اندر سیکیورٹی زیادہ سخت نہیں ہوتی تھی۔ ہم لوگوں کو سفر کے دوران کہیں پر بھی سخت تفتیش کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ سیکیورٹی اور تفتیش کی سختیوں اور مسلمانوں کو شک کی نگاہ سے دیکھنے کا سلسلہ امریکہ میں 11 ستمبر 2001 کے دہشت گردانہ حادثے کے بعد شروع ہوا، جس کا ذمہ دار اسامہ بن لادن اور القاعدہ کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ اس سانحے کے بعد پوری دنیا بالخصوص امریکہ اور یورپ میں مسلمان دہشت کی علامت بن گئے اور ہر جگہ ان پر زمین تنگ کی جانے لگی۔

افسوس کی بات ہے کہ ہالینڈ بھی یورپ کے ان ملکوں میں شامل ہے جہاں گزشتہ سالوں کے دوران اسلاموفوبیا یعنی مسلمانوں کے خلاف نفرت کی مہم اور قرآن کریم پر حملوں میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا ہے۔ ملک میں ایسی سیاسی پارٹیاں اور ایسے سیاستداں طاقتور ہو گئے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کا بیج بو کر اپنی سیاست چمکانے میں یقین رکھتے ہیں۔ ابھی کچھ دنوں پہلے ہالینڈ کے شہر دی ہیگ میں ایک اسلام مخالف انتہا پسند لیڈر نے وہاں کی پارلیمنٹ کے سامنے قرآن پاک کے نسخے کو پھاڑنے کی مذموم حرکت کی تھی، جس پر مسلم دنیا میں احتجاج کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے 2018 میں ہالینڈ کے مشہور اسلام مخالف سیاستداں گیرٹ ولڈرز نے پیغمبر اسلام کے گستاخانہ خاکوں کا ایک مقابلہ منعقد کرانے کا اعلان کیا تھا، لیکن اسلامی دنیا میں شدید ردعمل اور احتجاجی مظاہروں کے بعد اس نے اپنا یہ ارادہ منسوخ کر دیا تھا۔ اسی انتہا پسند نے جو ہالینڈ کی فریڈم پارٹی کا سربراہ ہے، 2008 میں فتنہ نام کی ایک فلم بنا کر قرآن کریم کی اہانت کی تھی، جس کی مسلم ممالک میں شدید مذمت کی گئی تھی۔ برقع پر پابندی کے مسلسل مطالبات کے اب ہالینڈ میں سرکاری دفاتر، اسکولوں اور اسپتالوں وغیرہ میں برقع پہننا منع ہے، لیکن سڑکوں اور عوامی مقامات پر نقاب پہننے کی اجازت ہے۔ فرانس اور بیلجیئم میں چہرہ مکمل ڈھانپنے پر ہر جگہ پابندی ہے۔ ہالینڈ میں مساجد کے میناروں پر پابندی کا مطالبہ بھی اٹھتا رہتا ہے۔

لیکن یورپ سے کیا شکایت کی جائے، جب گاندھی کے دیش میں بھی ہم مسلمانوں کو اسی طرح کی صورتحال کا سامنا ہے۔ جو ملک اپنی مذہبی رواداری اور پر امن بقائے باہم کی اقدار کے لیے پوری دنیا میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اب وہاں بھی برسوں سے نفرت اور انتہا پسندی کا بول بالا ہے، اور ہر دن نت نئے شوشے چھوڑ کر اور مکروہ سازشوں اور گھناؤنے منصوبوں کو سرکاری سرپرستی میں عملی جامہ پہنا کر مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

گھانا میں تین دن

ایمسٹرڈیم سے ساڑھے چھ گھنٹے کی فلائٹ کے بعد ہم لوگ مغربی افریقہ کے ملک گھانا کی راجدھانی اکرا پہنچے۔ اکرا ایر پورٹ پر ہمارے استقبال کے لئے گھانا حکومت کا ایک نمائندہ موجود تھا۔ اکرا کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی گرم ہوا کے جھونکے نے احساس دلایا کہ اب ہم براعظم افریقہ میں ہیں۔ ایمسٹرڈیم میں سخت سردی تھی اور یہاں اکرا کا موسم خاصا گرم تھا۔ وہاں تمدن کے جلوے تھے اور یہاں ہمارے ملک ہندوستان کی طرح غربت اور پسماندگی کے مناظر۔

اکرا میں پہلے دو دن آردو کی مجلس عاملہ کے اجلاس کی نشستوں میں گزرے۔ ان نشستوں میں کئی ملکوں کے وزیر، نائب وزیر اور دوسرے اعلیٰ ذمہ دار شریک تھے۔ مجھے کسی ایسی میٹنگ میں پہلی بار شرکت کا موقع ملا تھا جہاں کئی حکومتوں کے اعلیٰ عہدیدار مختلف مسائل پر گفتگو کر رہے تھے۔ میٹنگ کا ایجنڈا پہلے سے

طے تھا. تمام مندوبین پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے. صدر مجلس کی طرف سے ایجنڈے کا ہر موضوع پیش کیا جاتا اور اس پر رکن ممالک کے نمائندے باری باری اظہارِ خیال کرتے. ہر مندوب اپنی بات مختصر اور جامع انداز میں پیش کرتا تھا. میرا کام عرب ملکوں کے ان نمائندوں کی مدد کرنا تھا جو انگریزی زبان پر خاطر خواہ قدرت نہیں رکھتے تھے. ناچیز نے مراکش اور اردن کے نمائندوں کی ترجمانی کا فریضہ انجام دیا. بعض مندوبین نے مالی مسائل پر سکریٹری جنرل سے وضاحت طلب کی، اور سکریٹری جنرل نے ان کے سوالوں کے جواب دیے اور خامیوں کو دور کرنے کا وعدہ کیا. مجھے اس میٹنگ میں شرکت سے بہت کچھ سیکھنے اور یہ جاننے کا موقع ملا کہ بین الحکومتی اداروں میں کس طرح مباحثے ہوتے ہیں اور فیصلے کیے جاتے ہیں.

اکرا میں تیسرا دن سیر و تفریح کے لیے مختص تھا. ہمیں اکرا شہر اور اس کے نواحی علاقوں میں متعدد تاریخی اور سیاحتی مقامات کو دیکھنے کا موقع ملا. ہمارے قافلے میں کئی ملکوں کے وزراء اور مندوبین کے ساتھ رہنمائی کے لیے گھانا حکومت کا ایک افسر بھی شامل تھا. قافلے کے آگے آگے مقامی پولیس کے کئی افراد بائک پر سوار ہمارے ساتھ ساتھ چل رہے تھے. اگر کہیں ٹریفک زیادہ ہوتا تو پولیس کے یہ افراد ہمارے قافلے کے لیے راستہ خالی کرا دیتے تھے. دوپہر کے کھانے کے لیے ہمیں بحرِ اٹلانٹک کے ساحل پر ایک ریستوران میں لے جایا گیا. یہ ریسٹورنٹ ساحل سمندر سے صرف چند میٹر کے فاصلے پر واقع تھا. ریسٹورنٹ میں لنچ کے لیے ایک بہت بڑی سمندری مچھلی (ماہی مسلم) ایک بڑی سی ٹیبل پر رکھی ہوئی تھی. لوگ بڑے شوق سے مچھلی کا ایک ٹکڑا کاٹ کر اپنی اپنی پلیٹوں میں سجانے لگے، لیکن مجھے مچھلی سے بہت زیادہ بو آ رہی تھی اور میری طبیعت اس کو کھانے پر آمادہ نہیں ہوئی. میں نے مچھلی کے بجائے سلاد کے کچھ ٹکڑے اپنی پلیٹ میں رکھے اور ریستوران سے نکل کر سمندر کے کنارے بنی ہوئی ایک بنچ پر بیٹھ گیا. میں نے ممبئی میں سمندر دیکھا تھا، لیکن بحرِ اٹلانٹک کی وسعتوں کو دیکھ کر دل پر ایک عجیب کیفیت اور اللہ کی بے پناہ قدرت کی ہیبت طاری ہوئی. نظر کی آخری حدوں تک سمندر کے پانی کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا. دوسرے کنارے کا دور دور تک کہیں پتہ نہیں تھا. سمندروں کی اتھاہ گہرائیاں، ان میں اٹھنے والی بڑی بڑی موجیں اور ان میں بسنے والی ان گنت مخلوقات عقل انسانی کو حیرت کے سمندر میں غوطہ زن کر دینے اور خلاق العلیم کی عظمت کا احساس دلانے کے لیے کافی ہیں. مجھے کتابوں میں پڑھی ہوئی یہ بات یاد آئی کہ کرۂ ارض کا تین چوتھائی حصہ پانی سے معمور ہے، خشکی کا حصہ صرف ایک چوتھائی ہے. بحرِ اٹلانٹک جس کو بحرِ اوقیانوس اور بحرِ ظلمات کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، دنیا کے پانچ سمندروں میں دوسرا سب سے بڑا سمندر ہے. اس کا رقبہ ساڑھے دس کروڑ مربع کلومیٹر سے زیادہ ہے، اور یہ روئے زمین کے تقریباً 20 فیصد حصے کو گھیرے ہوئے ہے. دنیا کا سب سے بڑا سمندر بحرالکاہل ہے جو زمین کے کل رقبے کے ایک تہائی حصہ پر پھیلا ہوا ہے. اس کا کل رقبہ تقریباً 18 کروڑ مربع کلومیٹر ہے. کچھ دنوں پہلے یہ خبر نظر سے گزری تھی کہ سائنسدانوں نے زمین کی تہہ میں موجود ایک چھٹا سمندر بھی دریافت کیا ہے.

گھانا میں ساحل سمندر پر ایک ایسے تاریخی قلعہ کو بھی دیکھنے کا موقع ملا جس کو گزشتہ صدیوں میں مغربی افریقہ میں غلاموں کی تجارت کے لئے استعمال کیا جاتا تھا. گھانا میں ایسے کئی قلعے ہیں جن کو یورپ کے لوگوں نے اصلاً سونے اور لکڑی وغیرہ کی تجارت کی غرض سے سمندر کے کنارے تعمیر کیا تھا، لیکن بعد میں ان کو غلاموں کی تجارت کے لئے بھی استعمال کیا جانے لگا. افریقہ کے آزاد انسانوں کو جبراً غلام بنا کر ان قلعوں میں قید کر دیا جاتا تھا اور پھر انھیں فروخت کر کے بحری جہازوں کے ذریعے امریکہ اور یورپ کے طویل اور خطرناک سمندری سفر پر روانہ کر دیا جاتا تھا. گھانا کے ان قلعوں کو عالمی ثقافتی ورثہ کی حیثیت دی گئی ہے. ان تاریخی عمارتوں سے نوآبادیاتی دور میں لاکھوں انسان غلام بنا کر امریکہ اور یورپ کے ملکوں میں بھیجے گئے تھے.

اکرا شہر میں وہاں کی رنگارنگ ''ماکولا مارکیٹ'' کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا. یہ ایک بہت بڑا بازار ہے جس میں پختہ دکانیں کم اور ریڑھیوں اور فٹ پاتھ پر سجائی گئی دکانیں زیادہ تھیں. اس مارکیٹ میں ہر طرح کا سامان دستیاب تھا. سامان بیچنے والوں میں مردوں سے زیادہ عورتوں کی تعداد تھی. اکرا شہر میں ہر جگہ سیاہ فام خواتین مردوں کے شانہ بشانہ بلکہ ان سے زیادہ متحرک نظر آئیں. یہ خواتین بڑی توانا اور قوی الجثہ ہوتی ہیں. گرم موسم کی وجہ سے زیادہ تر عورتیں بغیر آستین کے فراک یا اسکرٹ پہنے ہوئے تھیں. ان کے ملبوسات عموماً بڑے رنگ برنگے ہوتے ہیں. ان کے یہاں دوپٹہ یا حجاب کا کوئی تصور نہیں ہے. البتہ خواتین اپنے سروں پر روایتی انداز کا ایک اسکارف یا ہیڈ بینڈ باندھتی ہیں جو ان کے لباس ہی کی طرح رنگارنگ ہوتا ہے. یہ کپڑا زیب و زینت اور بالوں کو

دھول مٹی سے بچانے کے لیے سر پر رکھا جاتا ہے، اس کا پردے سے کوئی تعلق نہیں ہے. گھانا کی مجموعی آبادی میں 70 فیصد سے زیادہ عیسائی اور 18 فیصد کے قریب مسلمان ہیں، لیکن مجھے اکرا شہر میں کوئی ایسی خاتون نظر نہیں آئی جس کے لباس سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ وہ مسلمان ہے.

عیسائی معاشروں میں مرد و زن کا اختلاط اور ایک دوسرے سے ہنسی مذاق اور بے تکلفی کی باتیں کرنا ایک عام بات ہے. اس کو کوئی معیوب نہیں سمجھتا، ''سیلینا'' نام کی ایک تعلیم یافتہ نوجوان عیسائی لڑکی جو سرکاری ملازم تھی، اس کو آردو کے وفد کی مدد کے لیے حکومت گھانا کی طرف سے متعین کیا گیا تھا. وہ مجھ سے اور میرے ساتھیوں سے بڑے بے تکلف انداز میں گفتگو کرتی تھی. ایک بار اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم شادی شدہ ہو؟ تو میں نے نفی میں جواب دیا. اس نے دوسرا سوال داغا کہ تمھاری کوئی گرل فرینڈ ہے؟ اس کا یہ سوال سن کر میں شرما گیا، لیکن پھر مجھے سمجھ میں آیا کہ اس کے معاشرے کے لحاظ سے یہ ایک نارمل سوال تھا. ان کے یہاں شادی کا یہی طریقہ رائج ہے کہ پہلے لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں، کچھ دنوں تک ملتے جلتے ہیں، ساتھ گھومتے پھرتے ہیں، ایک دوسرے کے گھر بھی آتے جاتے ہیں، اور پھر اگر دونوں کو لگتا ہے کہ ان کے مزاج اور عادات واطوار میں ہم آہنگی ہے اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں تو شادی کا فیصلہ کر لیتے ہیں، ورنہ قطع تعلق کر کے دونوں کسی اور جوڑے کی تلاش میں سرگرم ہو جاتے ہیں. ہمارے معاشرے میں اگر کوئی لڑکی کسی لڑکے سے وہ سوال پوچھ لے جو مذکورہ لڑکی نے مجھ سے پوچھا تھا، تو اس کو عموماً اچھی نظر سے نہیں دیکھا جائے گا. لڑکا یا تو یہ سمجھے گا کہ وہ لڑکی مجھ سے دوستی کرنا چاہتی ہے، یا پھر اس کے کردار پر شک کرنے لگے گا. لیکن مذکورہ لڑکی نہ مجھ سے دوستانہ تعلق قائم کرنا چاہتی تھی اور نہ ہی اس کا کردار مشکوک تھا. بظاہر وہ ایک شریف اور اچھے اخلاق و کردار کی حامل خاتون تھی. اس نے مجھ سے یہ سوال اس لیے کیا کہ ان کے معاشرے میں کسی لڑکی کا اپنے ہم عمر لڑکے سے اس کی گرل فرینڈ کے بارے میں پوچھنا ایک نارمل بات ہے.

آردو کی میٹنگ میں شرکت کیلئے ملیشیا سے جو وفد آیا تھا اس کے سربراہ ایک مسلمان وزیر تھے. ان کا نام اب مجھے یاد نہیں رہا. وہ ایک تجربہ کار سیاستدان ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے نیک، نمازی اور خوش اخلاق انسان تھے. ہوٹل میں ان کا کمرہ میرے کمرے کے بغل میں تھا. وہ مجھ سے بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے. کسی مسئلے پر گفتگو کے دوران میں نے ان کو قرآن کی آیت اور اس کا مفہوم انگریزی میں بتایا تو انھوں نے مجھ سے میری تعلیم کے بارے میں استفسار کیا. میں نے دارالعلوم دیوبند سے تعلیم حاصل کرنے کا ذکر کیا تو وہ میری ضرورت سے زیادہ عزت و تکریم کرنے لگے. وہ دیوبند سے اچھی طرح واقف اور اہل علم کے قدردان تھے. رات کو کھانے کے بعد جب ہم ہوٹل کے اپنے کمرے میں لوٹے تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ چلو عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ لیتے ہیں، چنانچہ وہ مصلیٰ لے کر میرے کمرے میں آ گئے اور ہم نے جماعت سے نماز پڑھی. اتنے بڑے عہدے پر فائز ہونے کے باوجود ان کی تواضع و انکساری نے مجھے بہت متاثر کیا. اکرا سے روانگی کے وقت انھوں نے مجھے ملیشیا آنے کی دعوت دی اور اپنا کارڈ دے کر مراسلت کے ذریعے رابطے میں رہنے کی خواہش کا اظہار کیا. افسوس کہ میں نے ان کا کارڈ گم کر دیا اور ان کو کوئی خط نہیں لکھ سکا. مزید افسوس یہ کہ اب مجھے ان کا پورا نام بھی یاد نہیں رہا. ان کی عمر اس وقت ساٹھ سال کے قریب رہی ہوگی. خدا معلوم اب وہ بقید حیات ہیں یا نہیں.

اسی طرح مراکش کے مندوب سے بھی بڑے اچھے تعلقات قائم ہو گئے تھے. ان کا نام کرداس حسن تھا. وہ تقریباً چالیس سال کے ایک خوبرو انسان، اور مراکش کی حکومت میں بلند عہدے پر فائز تھے. ان سے عربی میں بات چیت ہوتی تھی. وہ میری عربی زبان سے متاثر ہوئے اور یہ ماننے کو تیار نہیں تھے کہ میں نے عربی زبان کسی عرب ملک میں رہ کر نہیں سیکھی ہے. میں نے ان سے مراکش کے بارے میں اور انھوں نے مجھ سے ہندوستان اور ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں بہت سی معلومات کا تبادلہ کیا. ہندوستان واپسی کے بعد میں نے ان کو ایک خط لکھا تھا اور انھوں نے فوراً جواب دیا تھا. انھوں نے اپنے خط میں یہ پیشکش بھی کی تھی کہ اگر کبھی تمھارا مراکش آنا ہو تو مجھے تمھاری میزبانی کر کے مسرت ہوگی.

اکرا سے ہم لوگ آٹھ گھنٹے کا ہوائی سفر طے کر کے دبئی پہنچے. دبئی میں ہمارے پاس دس بارہ گھنٹے کا وقت تھا. ہم نے یہ چند گھنٹے دبئی شہر کو تھوڑا بہت دیکھنے اور کچھ خریداری کرنے میں صرف کیے، اور پھر دبئی سے پرواز کر کے ساڑھے تین گھنٹے میں دہلی واپس آ گئے.

ایمسٹر ڈیم، اکرا اور دبئی کا یہ سفر میرے لیے ایک نا قابلِ فراموش تجربہ تھا۔صرف پانچ دنوں میں ہم نے ایک لمبی مسافت طے کی، یورپ اور افریقہ دونوں بر اعظموں پر قدم رکھا اور نئے علاقے، نئے رنگ وروپ، نئے انداز، نئی تہذیب وثقافت اور نئے ذائقوں سے آشنائی حاصل ہوئی۔اس سفر کے تجربات و مشاہدات میرے ذہن کے بند دریچوں کو کھولنے اور میرے زاویہ نظر کو وسیع کرنے میں مدد ومعاون ثابت ہوئے۔سیر وسیاحت کو غیر رسمی تعلیم کا ایک مؤثر ذریعہ مانا جاتا ہے۔اس سے انسان کی فکر میں کشادگی اور دنیا کو نئے انداز سے دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔زندگی اور دنیا کو سمجھنے کے لیے محض رسمی تعلیم کافی نہیں ہوتی۔بہت سی چیزوں کو سمجھنے کے لیے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ضروری ہوتا ہے۔یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ پانچ دن کے اس سفر نے مجھے جو کچھ سکھایا، اس کو کسی درسگاہ میں بیٹھ کر حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔استاذ محترم مولانا وحید الزماں کیرانوی رح کبھی کبھی بعض مولوی حضرات کی تنگ نظری پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ ایسے بند ذہن مولویوں کو ایک جہاز میں بھر کر قاہرہ، بغداد اور دمشق وبیروت وغیرہ میں کچھ دنوں کے لیے چھوڑ کر آ جاؤں، تا کہ دنیا کی وسعت اور افکار وخیالات کے تنوع کو دیکھنے کے بعد ان کے ذہن ودماغ کے بند دریچے روشن ہو جائیں اور ان میں مسائل کو وسیع تر زاویے سے دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

مدھوبنی کے جلسۂ سنگ بنیاد میں شرکت

انصار احمد معروفی

مدرسہ چشمۂ فیض ادری کے سابق طالب علم حافظ وقاری اسرار صاحب، مدھوبنی؛ جن سے سوشل میڈیا کی معرفت برابر رابطہ رہتا ہے، ان کی کئی سال سے میرے بارے میں خواہش تھی کہ آپ ڈومرا مدھوبنی تشریف لائیں اور ہم کو خدمت کا موقع دیں۔
میری بھی دلی آرزو کے باوجود مشغولیت کی وجہ سے یہ تمنا اب تک پوری نہ ہو سکی تھی، ادھر انھوں نے اپنے گاؤں ڈومرا میں ایک مکتب کے قیام کا فیصلہ کر لیا اور اس کے سنگ بنیاد کی تاریخ 15 مارچ کی متعین کر دی، اور اس پروگرام میں مجھے شرکت کی دعوت دے دی۔ میری جانب سے منظوری ملنے کے بعد انھوں نے اشتہار میں نام دے دیا۔ نیز اسی دن 15 مارچ 2023۔22 شعبان 1444ھ کو حافظ اسرار احمد صاحب کے گھر ان کے منجھلے بھائی کا ولیمہ بھی تھا۔
حافظ اسرار احمد صاحب مدرسہ چشمۂ فیض ادری کے طالب علم رہے ہیں۔انھوں نے شاید 2005 میں عربی اور فارسی مجھ سے پڑھی ہوئی ہے۔تب سے وہ ہر سال رمضان میں تراویح سناتے ہیں اور اپنے یہاں بچوں کو ماحول کے مطابق ٹیوشن بھی پڑھاتے ہیں۔اب انھوں نے ایک مکتب کے قیام کا فیصلہ کر لیا اور اس کے سنگ بنیاد رکھنے کے لیے علمائے کرام کو جمع کیا۔ ہمارے مدرسہ میں امتحان سالانہ ختم ہو چکا تھا، اس لیے میں نے شرکت کی ہامی بھر لی۔14 مارچ کا اے سی سے ٹکٹ سرجو جمنا سے نکلوا لیا، یہ ٹرین ہمیشہ تاخیر سے چلتی ہے۔حسب دستور سابق پانچ گھنٹے تاخیر سے مئو اسٹیشن پہنچی اور اسی فرق سے اس نے ”شکری اسٹیشن مدھوبنی“ پہنچایا۔شکری اسٹیشن، مئو کی جانب سے مدھوبنی سے پہلے واقع ہے، یہاں صبح کو چار بجے پہنچے، اور اندھیرا ہونے کی وجہ سے کچھ دیر رک کر قاری اسرار احمد صاحب کی ہدایت کے مطابق بس اسٹاپ پر پہنچے، کچھ ہی دیر میں فورا ئن پر بس آئی اور ارریہ سنگرام اتر گئے، جو پچاس کیلو میٹر دوری پر واقع تھا، وہاں قاری اسرار صاحب گاڑی لیے موجود تھے، جلد ہی ان کے گاؤں ڈومرا پہنچ گئے، ضروریات سے فارغ ہو کر نماز کی ادائیگی کے بعد کئی حضرات سے ملاقات ہوئی۔

ڈومرا کے جن حضرات علمائے کرام سے ملاقاتیں ہوئیں ان میں حافظ وقاری محمد عادل صاحب ہیں۔ نیپال کے ایک مدرسے میں انھوں نے حفظ کیا، پھر عربی وفارسی کی دو جماعت تک تعلیم کو پا گنج کے مدرسہ جامع العلوم اور امداد العلوم میں پائی، مولانا مفتی عطاء اللہ صاحب قاسمی ان کے استاذ رہ چکے ہیں تعلیم ادھوری چھوڑ کر انھوں نے قاری فیاض احمد صاحب ادروی کے ذریعے جامعہ مفتاح العلوم مئو میں قرات مکمل کی۔ کہتے ہیں کہ حفظ کے بعد مجھے احساس

برتری ہورہا تھا کہ اب بہت کچھ میں جاننے لگا ہوں، مگر جب میں نے قاری فیاض صاحب ادروی کے یہاں قرات شروع کی تو ایسا محسوس ہوا جیسے میں قرات کا کوئی حرف جانتا ہی نہیں۔ قاری صاحب نے ایسی مشق کرائی اور اتنی سختی سے پڑھایا کہ دسمبر کے مہینے میں بھی خوف وہراس کی وجہ سے پسینہ آجاتا تھا۔ان کی سختی اور مسلسل نگرانی کی وجہ سے ہمیں بہت کچھ الحمدللہ حاصل ہوا۔

یہیں مولانا ابوالکلام قاسمی صاحب سے بھی دیر تک ملاقات ہوئی، ڈومرا کے رہنے والے ہیں، فارسی سے عربی سوم تک کی بنیادی تعلیم انھوں نے مدرسہ چشمہ فیض ادری میں 1998ء میں حاصل کی۔اس وقت مدرسے کے ناظم جناب حاجی شریف الدین صاحب تھے، ان کے اساتذہ میں مولانا منظور عالم صاحب، مولانا محبوب حسن صاحب، مولانا عبدالحئی صاحب وغیرہ شامل ہیں۔ یہاں سے وہ براہِ راست دارالعلوم دیوبند پہنچے اور عربی چہارم میں داخلہ حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔2003 میں دورہ حدیث میں شریک تھے، کہ اسی دوران طبیعت خراب ہوگئی اور چھٹی لے کر گھر چلے آئے، پھر آئندہ سال تکمیل حدیث کی، اس کے بعد تکمیل ادب میں داخلہ لیا، افتا میں داخلہ لینا چاہتے تھے، مگر پچاس بچوں کی جگہ پچیس بچے کردینے سے یہ افتا میں نہیں پہنچ سکے، پھر جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد میں افتا میں داخل ہوئے لیکن وہاں دارالاقامہ اور تعلیم گاہوں میں فاصلہ ہونے کی بنا پر دل نہیں لگ سکا اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر گھر چلے آئے تو دوبارہ نہیں گئے۔اس وقت آپ ڈومرا کے بورڈ کے مدرسہ اشرفیہ میں پرنسپل کے عہدے پر فائز ہیں۔آپ نے لاک ڈاؤن کے پہلے ایک مدرسہ کھولا تھا جب بورڈ کے مدرسہ میں آپ کو پرنسپل کی جگہ مل گئی تو انھوں نے مدرسہ بند کردیا، کہنے لگے کہ سر پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوجانے کے بعد اب مدرسہ سنبھالنا مشکل ہوگیا تھا۔

آپ اپنے علاقے کے کامیاب مقرر اور باصلاحیت عالم مانے جاتے ہیں، خطابت کے ملکہ کے ساتھ ساتھ بہترین ترنم کے بھی مالک ہیں اور تقاریر میں مجمع کو بیدار کرنے اور ان کی توجہ کو مبذول کرنے میں اس سے کام لیتے رہتے ہیں۔سنجیدہ شعری ذوق رکھتے ہیں، سخن فہم ہی نہیں، بلکہ سخن نواز بھی ہیں اور اپنے شعری ذوق کی تسکین کے لیے مشقِ سخن بھی کرتے رہے ہیں، جس کا ثبوت ان کا مجموعۂ کلام "کلامِ فاتح" ہے، جو 60 صفحات پر مشتمل ہے، جس میں حمد ونعت کے علاوہ غزلیں اور دیگر کلام موجود ہیں۔مولانا نے اس کتاب کا ایک نسخہ بندہ کو عنایت فرمایا، احقر ان کا شکرگزار ہے۔آپ کی حیثیت علاقے میں مرجع خلائق کی حیثیت رکھتی ہے، سنجیدہ مزاج رکھتے ہیں اور اہل علم کی قدردانی سے بخوبی واقف ہیں۔اللہ تعالیٰ حضرت کو صحت وعافیت سے نوازے۔

صبح کو حضرت مولانا بدیع الزماں مفتاحی صاحب سے ملاقات ہوئی، یہ بھی مدرسہ چشمۂ فیض ادری کے ابنائے قدیم میں سے ہیں۔ بہت نیک خصلت اور تہجد گزار عالم ہیں۔حضرت کو ابھی تین چار سال قبل اراریہ سنگرام میں سرکاری ملازمت مل گئی ہے، آپ کی فراغت جامعہ مفتاح العلوم مئو سے 1995 میں ہوئی ہے۔

اس موقع پر مدرسہ چشمہ فیض کے بہت سے طالب علموں سے ملاقات ہوئی جو کسی وقت میں وہاں سے استفادہ کرچکے ہیں۔انھوں نے کئی بار مولانا محبوب حسن صاحب کو یاد کیا کہ وہ برابر یہاں آیا کرتے تھے، لیکن ابھی لاک ڈاؤن اور پھر مولانا امین الدین صاحب کے انتقال کے بعد تشریف نہیں لائے ہیں۔ان لوگوں نے بتایا کہ مولانا کی محبت اور کوشش سے یہاں کے طلبہ کی بڑی تعداد مدرسہ چشمہ فیض ادری جاتی تھی اور شوال میں چھ سات ٹیمپو بچوں کو لے کر یہاں سے نکلتا تھا۔مولانا محبوب حسن صاحب کہتے تھے کہ ڈومرا میرا گھر ہے اور ڈومرا کے طلبہ بھی فخر سے کہتے تھے کہ ادری ہمارا گھر ہے۔ جو تعلق کے مضبوط ہونے کی جانب اشارہ کرنے کے ساتھ باہمی محبت کے ثبوت اور طرفین میں ازدیاد تعلق کی وضاحت کے لیے بھی کافی ہے۔لڑکے بتاتے ہیں کہ چالیس پچاس لڑکے صرف اس قصبہ کے مدرسہ چشمہ فیض میں رہا کرتے تھے، جو مدرسہ کے کئی کمروں میں سماتے تھے۔ میں نے ان ابنائے قدیم کو سال بہ سال اپنی مادرعلمی میں جانے اور اپنے اساتذہ سے ملاقات کرنے کی ترغیب کے ساتھ انھیں مدرسہ چشمہ فیض ادری پہنچنے کی دعوت دی اور اسی کے ساتھ یہ بھی ان سے کہا کہ آپ لوگ اپنے اساتذہ کو موقع بموقع اپنے یہاں تشریف آوری کی دعوت دیا کریں۔تاکہ آپسی تعلقات اور زیادہ مضبوط ہوں اور اساتذہ کی دعائیں آپ لوگوں کو برابر ملتی رہیں۔جس پر بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے ارادوں کا اظہار کیا اور بتایا کہ کئی بار ارادہ بنا مگر پھر ٹوٹ گیا، اب ان شاءاللہ

تعالیٰ گاہ بگاہ پہنچتے رہیں گے اور اپنے اساتذہ کو بھی مدعو کیا کریں گے۔

حافظ و قاری عبدالسلام صاحب سے بھی ملاقات ہوئی جو مولانا بدیع الزماں صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ انھوں نے مکمل حفظ وحدر ہمارے مدرسہ سے کیا اور اس وقت وہ ڈومرا کے قریب بچوں کو پڑھاتے اور امامت کرتے ہیں، جو مولانا بدیع الزماں صاحب کے صاحبزادے ہیں، حافظ عبدالسلام صاحب 2009 سے قبل مدرسہ چشمہ فیض ادری کے سابق طالب علم رہے ہیں، نعت بھی اچھی پڑھتے ہیں، ان کے زمانۂ طالب علمی میں کوپا گنج کے ایک مدرسے میں انھیں مسابقے کے پروگرام میں نعت خوانی کے لیے ہم لوگ لے گئے تھے، اس میں دیے گئے مصرع طرح "کونین میں ہے رنگ فقط ایک پھول کا" پر میں نے نعت شریف لکھی تھی اور حافظ عبدالسلام نے خوبصورت انداز میں ترنم سے اسے پیش کی تھی، جس پر ان کو دوم پوزیشن حاصل ہوئی تھی، اور انھیں انعام سے نوازا گیا تھا، میں نے اس مصرع کی تضمین کر کے شعر یوں مکمل کیا تھا:

گلہائے رنگا رنگ چمن میں بہت کھلے

"کونین میں ہے رنگ فقط ایک پھول کا"

انھوں نے بتایا کہ آپ کے گاؤں پورہ معروف میں ایک جلسہ تھا، اس میں بھی نعت خوانی کے لیے آپ مجھے لے گئے تھے۔ حافظ، مولوی زاہد سے بھی ملاقات ہوئی یہ بھی درس وتدریس سے وابستہ ہیں۔ یہ دونوں اس وقت مدرسہ چشمہ فیض ادری میں زیر تعلیم تھے جب مولانا عبدالباری ندوی یہاں کے صدرالمدرسین تھے، ان کے دور کو وہ بہت یاد کرتے ہیں۔ دیگر طلبہ میں سے حافظ رضاء اللہ، ظہیر الدین، عزیز الدین وغیرہ سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔

اب دن بھر آرام اور ملاقات کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا۔ آج ہی مغرب کی نماز کے بعد اجلاس کا پروگرام اور ایک نئے مکتب معاذ بن جبل کا سنگِ بنیاد رکھنا تھا۔ عصر تک کئی ایک حضرات سے ملاقات ہوئی اور عصر کی نماز کے بعد عصرانہ سے فراغت پر چوک کی جانب ٹہلنے نکل گئے، قاری عبدالسلام ساتھ میں تھے، قاری اسرار احمد صاحب جلسہ سنگِ بنیاد کے پروگرام کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ قاری صاحب نے اپنے بہت سے ان علما اور شعرا کو مدعو کر رکھا تھا جو انھیں پروگراموں میں شرکت کا موقع فراہم کرتے ہیں، جن میں مقامی اور غیر مقامی دونوں قسم کے ماہرین اسٹیج تھے، ان میں مولانا ابوالکلام قاسمی صاحب، قاری عادل اصغر صاحب، نوشاد راہی صاحب، مفتی آفتاب صاحب، راقم الحروف انصار احمد معروفی، مفتی اظہار الحق صاحب، مفتی اویس صاحب قاسمی، مفتی انظار الحق صاحب مدھے پور، مولانا بدیع الزماں صاحب مفتاحی، ماہر بھارتی، شہاب دربھنگوی، ثاقب انور، گلاب عارفی، مشکور صاحب، منتظر صاحب، مولانا معین اللہ نعمانی صاحب، قاری سراج بھرول اور قاری شہاب الدین ڈومرا وغیرہ شامل ہیں۔

اس پروگرام میں غیر متوقع طور پر مولانا حیدر صاحب بھی شریک ہوئے جن کے پیر مولانا قاری حسان صاحب تھے جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ آپ کی ایک خانقاہ بھی چلتی ہے۔ آپ وہاں کے قریبی کسی گاؤں میں قیام کرتے ہیں اور خانقاہی مزاج رکھتے ہیں۔ مولانا حیدر صاحب نے دعا فرمائی، آپ دارالسلام ادری میں زیر تعلیم رہ چکے ہیں اور ان کے ساتھ پروگرام میں تشریف لانے والے حافظ و قاری سراج صاحب نے بھی دارالسلام میں تعلیم حاصل کی ہے۔ قاری سراج صاحب، قاری اسرار صاحب کے بھائی کے خسر بھی ہیں۔ مولانا حیدر صاحب نے پھر جامعہ اسلامیہ بنارس میں 1984 میں تعلیم مکمل کی، انھوں نے اپنے اساتذہ میں حضرت مفتی ابوالقاسم صاحب، مولانا اسیر ادروی صاحب اور میرے عم مرحوم مولانا محمد عزیر صاحب کا نام لیا۔ جب میں نے ان کو بتایا کہ میں مولانا محمد عزیر صاحب کا بھتیجا ہوں تو بہت خوش ہوئے اور پھر ان کے متعلق مجھ سے انھوں نے مزید معلومات حاصل کیں۔

قاری اسرار صاحب جلسہ کے کنوینر اور اس مکتب معاذ بن جبل کے بانی اور ناظم ہیں۔ قاری صاحب بچوں کو بہت پہلے سے ٹیوشن پڑھاتے ہیں اب انھوں نے اپنے گھر والوں کے ساتھ گاؤں والوں کو لے کر مکتب کے قیام کے لیے کمر بستہ ہونے کی ٹھان لی ہے۔ انھوں نے اپنی زمین بھی اس کے لیے وقف کر دی ہے اور اپنے بھائی کی شادی اور ولیمہ کے مبارک موقع پر بہت سے علمائے کرام اور مترنم شعرا کو مدعو کر کے جلسہ کے اختتام پر رات کو ایک بجے بندہ

سے سنگ بنیاد رکھوایا، اللہ تعالیٰ اسے صفات قبولیت سے آراستہ فرمائے۔

شام کو چوک کی طرف جب پہنچے تو وہاں کی عیدگاہ میں مغرب کی نماز ادا کی گئی پھر قبرستان کی جانب نکل گئے، واپسی میں مولانا عبدالرحیم صاحب سے ان کی کتاب کی دکان پر ملاقات ہوئی جہاں مولانا جہانگیر صاحب بھی موجود تھے۔ یہ دونوں مدرسہ چشمہ فیض ادری کے ابنائے قدیم میں سے ہیں۔ مولانا محبوب حسن صاحب نے ان کوفون کر کے میرے بارے میں مطلع کر دیا تھا۔ جلسہ میں یہ تشریف لائے تھے مگر میرا نمبر بارہ بجے کے بعد سب سے آخر میں آیا، اس لیے یہ بھی اپنے گھر چلے گئے، بارہ بجے رات کو مجمع بہت کم ہو گیا تھا۔

میں نے قرآن مجید کی عظمت اور مکتب کی ضرورت کے موضوع پر نصف گھنٹہ خطاب کیا اور پھر وہ نظم جسے میں نے اس مکتب کے قیام سے متعلق قاری اسرار احمد کی حوصلہ افزائی کے لیے لکھی تھی اسے سنائی اور پھر میری دعا پر جلسہ اختتام کو پہنچا۔ اس پروگرام کی صدارت حضرت مولانا ابوالکلام صاحب قاسمی کے ذمہ تھی، جب کہ نظامت کے فرائض قاری محمد عادل صاحب اور نوشاد راہی کے ساتھ قاری غفران صاحب بھی انجام دے رہے تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد بچوں کا پروگرام چلتا رہا، عشا کی نماز کے بعد عمومی اجلاس منعقد ہوا۔

سنگ بنیاد پروگرام کے دوسرے دن 16 مارچ بروز جمعرات ''گولاٹولہ'' میں ایک مسجد کا افتتاحی اجلاس منعقد ہونا تھا، اگر چہ یہاں کا پروگرام میرے مجوزہ جدول میں شامل نہیں تھا، مگر ڈومرا کے علمائے کرام؛ مولانا ابوالکلام قاسمی، قاری محمد عادل صاحب اور محترم قاری غفران صاحب اناؤنسر نے میرے لیے مسجد کے اس افتتاحی پروگرام میں شرکت کی راہ ہموار کر دی۔ مولانا محبوب حسن صاحب نے ڈومرا کے اپنے متعارفین حضرات سے جمعرات کو کسی جگہ پروگرام رکھنے اور بیان کرنے کے لیے توجہ دلائی تھی، اس لیے یہاں کے سربرآوردہ علماء نے گولاٹولہ میں پروگرام کی شرکت کو یقینی بنا دیا۔

گولاٹولہ ڈومرا سے تقریباً دس کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، قاری اسرار صاحب کے یہاں عصرانہ سے فراغت کے بعد چوک کی طرف دوچکہ سے نکل گئے، کیوں کہ وہاں سے مسجد کے افتتاح کے لیے جانا تھا۔ چوک پر قاری عادل صاحب کی کپڑے کی دکان ہے۔ وہاں حضرت مولانا بدیع الزماں صاحب بھی موجود تھے۔ مولانا بدیع الزماں صاحب معمول کے مطابق وہاں مغرب اور اس کے بعد تک ڈیوٹی سے واپسی میں رکتے ہیں۔ کچھ ہی دیر میں مولانا جہانگیر صاحب اور ان کے دوست مولانا عبدالرحیم صاحب بھی تشریف لائے۔ یہ سبھی حضرات مدرسہ چشمہ فیض ادری کے وفادار ابنائے قدیم میں ممتاز ہیں۔ مولانا جہانگیر صاحب نے بھوجا، کچوری اور قاری اسرار صاحب نے سموسہ وغیرہ ضیافت کے لیے منگوا دیا۔

اس کے بعد چائے پی گئی۔ اس دوران مولانا جہانگیر صاحب نے کہا کہ یہ بہار کا ناشتہ اور بھوجا ہے۔ مگر ہم لوگوں کو ادری کی پوڑی پکوڑی بہت یاد آتی ہے۔ ایک بار ادری جانا ہوا تو مولانا محبوب حسن صاحب کے لڑکے کے ساتھ ایک ہی مجلس میں پچاس سے زیادہ پکوڑی اور پوڑی کھائی گئی اور سفر کے لیے بھی لے لیا گیا، یہاں عیدگاہ میں مغرب کی نماز کے بعد بہت دیر تک ان ہی حالات اور واقعات کے تذکرے ہوتے رہے اور ماضی کی خوشگوار یادوں کو لوگ تازہ کرتے رہے، ان میں ان کے اساتذہ بالخصوص مولانا عبدالحئی صاحب، مولانا محبوب حسن صاحب، ماسٹر مجیب الرحمٰن صاحب، مولانا مناظر حسن صاحب، مولانا محفوظ الرحمن صاحب، مولانا منظور عالم صاحب، مولانا طفیل احمد صاحب، مولانا مرتضیٰ صاحب، قاری ہدایت اللہ صاحب اور حفظ کے اساتذہ میں حافظ زکریا صاحب وغیرہ کا بار بار تذکرہ ہوتا رہا۔ مولانا جہانگیر صاحب نے بتایا کہ اگر چہ میں نے خیرآباد کے منبع العلوم میں بھی تعلیم حاصل کی ہے مگر چشمہ فیض ادری اور وہاں کے اساتذہ بالخصوص مولانا محبوب حسن صاحب سے محبت اور قربت بہت زیادہ ہے، چنانچہ وہ ان کا ذکر بہت فخر سے بار بار کرتے رہے۔

مغرب کی نماز کے کچھ دیر بعد ہم لوگ گولہ ٹولہ کی جانب دو گاڑی سے مسجد کے افتتاح کے لیے چل پڑے۔ مولانا ابوالکلام قاسمی اور قاری عادل صاحب ایک گاڑی سے اور قاری اسرار اور راقم الحروف انصار احمد معروفی دوسری گاڑی سے متعینہ مقام پر پہنچے۔ وہاں پروگرام جاری تھا۔ نعت خوانی ہو رہی تھی، قاری غفران صاحب بہترین انداز میں نظامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ قاری صاحب سخن فہم ہونے کے ساتھ ساتھ شاعری سے بھی شغف

رکھتے ہیں، مسجد میں نظامت کے دوران انھوں نے قرآن مجید کی عظمت کے موضوع پر ایک طویل نظم تحت اللفظ زبانی سنائی جو بہت پسند کی گئی۔ انھوں نے پہلے قاری عادل صاحب کو خطاب کے لیے آواز دی، انھوں نے مسجد کی اہمیت کے موضوع پر خطاب کیا، اگر چہ آپ نے عربی دوم تک تعلیم حاصل کی ہے، مگر فطری صلاحیت اور قوت اخذ واکتساب کی بنا پر کسی بھی عنوان پر بہترین خطاب کرتے ہیں۔ آپ کو اس کا احساس ستاتا ہے کہ ڈومرا کے دیگر طالب علموں کی طرح میں نے مدرسہ چشمہ فیض ادری میں تعلیم حاصل نہیں کی۔

قاری صاحب کے بعد قاری اسرار صاحب نے نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم خوبصورت انداز میں پیش کی، بعدہ مولانا ابوالکلام قاسمی صاحب نے مسجد کی عظمت کے موضوع پر مفصل تقریر کی۔ مولانا اسٹیج کے آدمی ہیں اور اچھا بولتے ہیں، کافی ملنسار ہیں اور مہمانوں کی قدردانی کا لحاظ رکھا کرتے ہیں۔ مولانا کی تقریر کے بعد راقم الحروف نے بھی خطاب کیا۔ اور اپنی تقریر میں مسجد سے رشتہ مضبوط رکھنے پر زور دیا۔ بندہ کی دعا پر اس افتتاحی اجلاس کا اختتام ہوا۔ اس کے بعد تقریباً دس بجے عشا کی نماز کی ادائیگی سے مسجد کا افتتاح ہوا۔ گاؤں کے چھوٹے بڑے حضرات بہت شوق سے پروگرام میں شریک ہوئے۔ اس محلہ میں دو اور مسجد بھی ہے۔ مگر یہاں مسجد کی شدید ضرورت تھی۔ اس کے بعد وہاں کے ایک صاحب کے یہاں عشائیہ کا لطف اٹھایا گیا۔ جس میں بیس پچیس حضرات شریک تھے۔ یہ گاؤں ایک دیہات ہے، جہاں دیہات کی ساری خصوصیات موجود ہیں۔ جن میں سادگی، انکساری، خلوص اور محبت پورے طور پر پائی جارہی تھی۔ بندہ اس سے بہت متاثر ہوا، ان کے کچے مکانات اور جھونپڑیوں کو دیکھ کر ماضی کے دور کی یاد آتی رہی۔ میرے لیے انھوں نے چاول کے ساتھ روٹی کا بھی انتظام کیا، بڑی محبت اور خلوص سے وہاں کے نوجوان کھلاتے رہے اور مہمانوں کی دعائیں وصول کرتے رہے۔ ان لوگوں نے خطاب کا اعزازیہ بھی بڑی محبت سے لفافہ میں رکھ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر دے اور ان کی محبتوں کا بہترین بدلہ دارین میں عطا فرمائے آمین۔

وہاں سے ساڑھے گیارہ بجے شب میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ڈومرا اپنی جائے قیام پر سالما وغانما واپسی ہوئی۔

رات کو بارہ بجے سونے کے لیے لیٹے ہی تھے کہ قاری عادل صاحب ایک درخواست لے کر حاضر ہوئے، وہ کرتے کے کپڑے دکان کے علاوہ گھر پر بھی رکھتے ہیں، ابھی انھوں نے نئے کپڑے منگوائے تھے، وہ چاہتے تھے کہ مولانا اپنی پسند سے کرتے کا کپڑا منتخب کرلیں، کیوں کہ قاری اسرار صاحب نے ان کے یہاں سے میرے لیے ایک کرتے کا کپڑا پسند کرنے کی طرف توجہ دلائی تھی، اس لیے قاری عادل صاحب اسی بہانے اپنے گھر لے جانا چاہتے تھے، ہر چند میں نے معذرت کی اور کہا کہ آپ سوئے ہوئے لوگوں کو خواہ مخواہ بیدار کریں گے اور ان کو ضیافت کا انتظام کرنے کے لیے زحمت دیں گے، مگر وہ نہیں مانے اور کہا کہ بچے ہمارے بہت فرماں بردار اور اطاعت گزار ہیں۔ چنانچہ وہ بڑی محبت کے ساتھ اپنے دولت خانہ پر ہمیں لے گئے اور گھر والوں کا جگا کر چائے پلائی، وہ اپنے گھر پر بچوں کو ٹیوشن بھی پڑھاتے ہیں اور بورڈ کے مدرسہ اشرفیہ میں مدرس بھی ہیں۔

17 مارچ کو واپسی کا ٹکٹ دربھنگہ اسٹیشن سے سرجو جمنا ایکسپریس سے تھا، ڈومرا سے بذریعہ بس این ایچ روڈ سے دربھنگہ تک سفر ہوا، قاری اسرار صاحب نے اپنی گاڑی سے اریہ سنگرام چھوڑ دیا تھا اور بس پر بیٹھا کر رخصت ہوئے تھے۔ قاری صاحب کے والد محترم جناب محمد اسعد صاحب علما سے دلی محبت رکھنے والے اور تعلیم کے فروغ میں عملی طور پر حصہ لینے والے ہیں۔ اگر چہ تعلیم یافتہ نہیں ہیں مگر چاہتے ہیں کہ نہ صرف میرے بچے تعلیم کے میدان میں آگے بڑھیں بلکہ قوم کے سارے بچے علمی میدان میں ترقی کرتے رہیں۔ وہ پیشہ کے اعتبار سے معمار ہیں، اب انھوں نے اپنا گھر پختہ اور خوبصورت بنالیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص جب مجھ سے تعلیم کے لیے قرض مانگتا ہے، میں اس کو ضرور دیدیتا ہوں، اس کے علاوہ بھی ان کی مدد کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین، بڑی مشقت سے انھوں نے بچوں کو پڑھایا ہے، اس وقت انھیں کچھ خوشحالی نصیب ہوگئی ہے، مگر پہلے وہ بہت زیادہ معاشی تنگی کا شکار تھے، ان تنگ حالات کو یاد کرکے ان کی انکھیں آبدیدہ ہوجایا کرتی ہیں۔ تعلیم کے فروغ سے اسی محبت کی وجہ سے انھوں نے اپنی زمین کے ایک حصے میں ایک مدرسہ کے قیام کی منظوری دیدی ہے، قاری اسرار احمد صاحب فکرمند ہیں کہ کس طرح اس مکتب کو چلایا جائے؟ میں نے انھیں رائے دی کہ اپنے گاؤں کے علما اور خواص کے مشورے سے کام کرتے رہیں اور اس کی ترقی و پیشرفت کے لیے اخلاص کے ساتھ جدوجہد کرتے رہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

کامیابی حاصل ہوگی۔ 17 مارچ کو سرجو جمنا سے الحمد للہ بخیر وعافیت عشا کے قریب گھر پہنچنے سے قلبی سکون حاصل ہوا۔ دعا ہے کہ جن حضرات نے اس پروگرام کی کامیابی اور میری خاطر داری میں کسی بھی طرح سے حصہ لیا، اللہ تعالیٰ انھیں دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

سفر نامۂ دوبئ وشارجہ

مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی

''متحدہ عرب امارات'' دنیا کا وہ واحد ملک ہے جہاں ستر فیصد سے زائد لوگ خارجی بستے ہیں اور کاروباری لائن سے اپنا سکہ جمائے ہوئے ہیں، کون سا ایسا شعبہ اور محکمہ ہے جہاں خارجی کی پہونچ نہیں، یہی وجہ ہے" دوبئ" آج دنیائے تجارت کی سب سے بڑی منڈی ہے۔ امارات میں مقیم بھارتی لوگوں کی تعداد 33 لاکھ سے زائد ہے۔ اسی طرح بنگلہ دیش، پاکستان، مصر، سوڈان، مراکش نہ جانے کتنے ممالک کے لوگ تجارت اور مزدوری کے لیے امارات میں قیام پذیر ہیں۔

دوبئ، شارجہ میں موجود کچھ تلامذہ اور دوست احباب کی درخواست پر امارات کا سفر طے پایا، تین مارچ بروز جمعہ گھر سے بعد نماز فجر مئو ہوتے ہوئے بذریعہ ٹرین وارانسی پہونچا، بنارس میں پہلے سے موجود طلحہ حسیب کے ساتھ ناشتہ کیا گیا۔ (جو ایک بڑے تاجر اور فراخ دل انسان ہیں) اور انہیں کی معیت میں بائی کار ایئر پورٹ تقریبا دو بجے دن پہونچا، چار بیس کی فلائٹ تھی بالکل صحیح وقت پر اڑان بھری اور معینہ وقت پر بین المغر بین شارجہ ایر پورٹ اترے۔ بائی کار عارضی قیام گاہ" العین" آیا، جسے" عین الامارات" کا نام دیا گیا، جو شاہان ابوظبی کی منتخب وپسندیدہ جگہیں ہیں،" ہیلی رمیلہ" میں شیوخ کے حسین محلات، شاندار مسجدیں اور وسیع مقبرے موجود ہیں۔ یہیں قاری محمد عارف بن ریاض احمد مبارکپوری اور ان کے احباب کے ساتھ طلحہ حسیب کے مہمان خانہ میں ایک ہفتہ قیام کیا، کبھی بس کبھی کار کے ذریعہ مختلف مواضعات اور منطقہ کا دورہ ہوا، وہاں کے پر لطف اور خوبصورت مناظر سے دل شاد ہوا، اس کے بعد شارجہ پہونچا، جہاں مقیم مولانا، مفتی عبدالرحمان صاحب مظفر پور، اعظم گڑھ، مولانا نوشاد احمد صاحب ادری، مئو اور مولانا محمد ندیم صاحب قاسمی وغیرہم سے ملاقاتیں ہوئیں، پر لطف محفلیں قائم رہیں، ان تینوں حضرات کے آپس میں مضبوط تعلقات اور خوشگوار روابط ہیں، دار العلوم دیوبند سے 2005ء فارغ ہوئے، مولانا محمد ندیم صاحب باذوق وخوش مزاج اور نرم طبیعت کے مالک ہیں، صاحب ثروت ہونے کے ساتھ ساتھ دل غنی واہل علم کے قدردان ہیں، جب بھی ان کے یہاں آنے کا اتفاق ہوا، ایک دو مہمان مع قیام طعام موجود پایا، احقر کا زیادہ تر قیام یہیں رہا۔ 17 / مارچ جمعہ کو" ابوظبی" شہر پہونچا، مولانا مفتی محمد ارشد صاحب شیروانی سے بذریعہ فون بات چیت ہوتی رہی، اتفاق سے شارجہ گیے ہوئے تھے ملاقات نہیں ہوسکی، مفتی صاحب اس وقت ابوظبی کے شعبہ اوقاف میں مفتی کے منصب پر فائز ہیں، خدمت اوقاف کے ساتھ جمعہ کے عربی خطبہ کا فصیح وبلیغ ترجمہ بھی پیش کرتے ہیں، مخلص، دیندار اور علما حضرات قدر شناس ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

" ابوظبی" شہر کا ایک منطقہ" مصفح" ہے وہاں ہمارے ایک عقیدت مند وتلمیذ خاص مولانا ولی اللہ قاسمی صاحب اعظمی ہیں، ان کی دعوت پر ایک روز ان کے یہاں قیام کیا، مولانا کے دوست احباب نے پر جوش استقبال کیا اور خاطر مدارات کی، وہیں ہمارے ایک رفیق درس، دار العلوم دیوبند لائق فرزند مولانا شفیق اعظمی قاسمی صاحب مقیم ہیں، جو عرصہ سے مصفح کی جامع مسجد کے امام وخطیب ہیں، ان کی امامت میں عشا کی نماز پڑھی، البتہ کسی سبب سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ اس یادگار سفر میں مولانا عبدالعظیم ندوی، مولانا مفتی محمد اشرف، حافظ ابوسالم، قاری محمد حسان اعظمی درویش، مولانا خلیق الزماں خیر آبادی، مولانا محمد نعمان معروفی وغیرہم سے گفتگو اور ملاقات ہوئی۔

اسی دوران دبئی کا سفر انجام پایا، رفیق درس عالی جناب حضرت مولانا ریاض الحق صاحب مبارکپوری دامت برکاتہم سے ملاقات ہوئی، جو نہایت سنجیدہ، بااخلاق، ملنسار اور مخلص دوست ہیں، انہی کی معیت میں دنیا کی سب سے اونچی اور خوبصورت تاریخی عمارت" برج خلیفہ" دیکھنے کا حسین موقع نصیب ہوا۔ مولانا انصار احمد صاحب معروفی مدیر" ماہنامہ پیغام" پورہ معروف کی جانب سے ہدیہ میں دی ہوئی اپنی کتاب" اے میری امی" حضرت موصوف کی خدمت میں پیش کیا۔ اس بیش بہا تحفہ پر مولانا ریاض الحق صاحب نے خوشی کا اظہار فرمایا اور ہدیۃ تشکر وامتنان پیش کیا۔ چونکہ سفر بہت تھوڑے دن کا ہے 25 کی صبح شارجہ سے واپسی ہے اس لیے 21 کو شارجہ واپس آ گیا۔ اس تفریحی اور پر بہار سفر میں جو سب سے زیادہ دل کو متاثر کرنے والی اور حیرت میں ڈالنے والی جو چیز دیکھنے کو ملی وہ ہے دور نزدیک سفر کے لیے بسوں کی سہولیات اور حسن انتظام۔ پورے عرب امارات میں سٹی بس ہو یا لانگ روڈ کی بس، ٹیکسی ہو یا اور کوئی مال بردار گاڑی فل اے سی ہوتی ہے، بس تو نہایت آرام دہ، صفائی ستھرائی اعلی درجے کی، گاڑی میں کہیں ایک تنکہ نہیں ملے گا، بس کے اندر بیڑی، سگریٹ، پان، تمبا کی وغیرہ پر مکمل پابندی۔ رولہ بس اڈے پر ایک صنف نازک کو دیکھا کہ چائے ہاتھ میں لیے بس میں داخل ہونا چاہتی ہے، ڈرائیور نے اسے منع کیا، دوبارہ کوشش کی تو سختی سے منع کیا اور کہا کہ باہر پی کر آئیں، بس کے اندر بھی بند کوڑے دان کا انتظام ہے۔ شہر، قصبہ، دیہات، سرکاری پرائیویٹ محکمے، کمپنی اور کارخانے ہر جگہ یکساں صفائی دیکھنے کو ملی۔" النظافۃ نصف الایمان" کے صحیح مصداق یہی خلیجی ممالک ہیں۔ کہیں کوئی واقعہ یا حادثہ اتفاقا پیش آ گیا تو پلک جھپکتے ہی کوئی شرطہ پہونچ جاتا ہے، فریقین کی بات سن کر بیان درج کرتا ہے، لطف کی بات یہ کہ وہاں فریقین کے علاوہ عوام میں سے اور کوئی موجود نہیں ہوتا، نہ ہی سن کر آس پاس یا دور دراز سے لوگ بطور تماشہ گیر جمع ہو جائیں انڈیا کی طرح، آپس میں تو تو میں میں، نہ شور شرابہ اور نہ گالی گلوج، شرطہ سے بھی کوئی حجت وتکرار نہیں، متصادمین الگ الگ بیٹھے رہیں گے، شرطہ کے سوال کا جواب دیں گے، جسکی غلطی پائے گا شرطہ رپورٹ لگائے گا اور پھر چند ہی لمحوں میں بلدیہ کے صفائی کرمی آ کر ایک ایک تنکا چن چن کر اس طرح صفائی کر ڈالتے ہیں کہ احساس تک نہیں ہوتا کہ یہاں کوئی واقعہ ہوا تھا۔ یہاں کہ شاہراہ نہایت صاف ستھری، منقش، ہموار، وقتا فوقتاً مشین دوارہ سڑکوں پر پوچھا لگایا جاتا ہے، شاہراہوں کے اطراف میں رنگ برنگ کے پودے، زیادہ تر قدرتی گھاس جسے کاٹ چھانٹ کر ایسی بنا دیتے ہیں کہ دور سے دیکھنے میں مصنوعی کھلونے کا گمان ہوتا ہے، باقاعدہ اس کام پر سرکاری کارندے مامور ہیں، کاش اس کی ایک جھلک ہمارے ھندوستان میں دیکھنے کو ملتی، کہیں کہیں مصنوعی گھاس سے بھی پارکوں کو سجایا سنوارا گیا ہے۔ عموما 100-120 سو ایک سو بیس کی رفتار سی گاڑیاں چلتی ہیں، کوئی ڈر نہ دہشت، دوسو کلومیٹر کا سفر جتنی آسانی اور بلا تکان طے پا جاتا ہے انڈیا میں پچاس ساٹھ کلومیٹر کا سفر اتنی سہولت اور آسانی سے طے نہیں ہو پاتا۔

یہاں کے بس کی خاص بات یہ ہے کہ ڈرائیور کے علاوہ کوئی کنڈیکٹر نہیں ہوتا ہے اور بڑے سکون سے گاڑی لے کر چلتے ہیں، نہ کوئی کسی سے بات کرے، نہ ہنسی مزاق، اگر جگہ کے متعلق بات کرنی ہے تو ڈرائیور بہت خوش اسلوبی سے بات کرتے ہیں، سمجھاتے ہیں، دوسری بس سے اگر جانا ہے تو بس نمبر بتلا دیتے ہیں۔ ڈرائیور اکثر پاکستانی ہوتے ہیں اردو بولتے اور سمجھتے ہیں، رشوت کا کہیں نام ونشان نہیں۔ لمبے روٹ کی بس میں بیٹھتے وقت ٹکٹ سب کا بنا دیتے ہیں، بغیر ٹکٹ بس میں داخل نہیں ہو سکتے، انڈیا کی طرح چائے پانی والا، مونگ پھلی والا، تو لکھٹھا نمکین والا ہر کوئی بس پر چڑھ جاتا ہے اور مسافروں کو دقت میں ڈالتا ہے، امارات میں ایسا کچھ نہیں ہے، ہندوستان میں رشوت جگہ جگہ ہے، بس میں لگیج کا پیسہ عموما کنڈکٹر اور ڈرائیور کے ہاتھ لگتا ہے، سلیپ وغیرہ کچھ نہیں بناتے، کبھی کبھی دس بیس کیلومیٹر کے سفر پر کنڈکٹر پیسہ پورا لے لیتا ہے اور ٹکٹ نہیں بناتا، یا دوسرے آدمی کا ٹکٹ جو کچھ پہلے اتر کر چلے جاتے ہیں ان کا ٹکٹ اسے تھما دیتے ہیں، گویا ایک ٹکٹ پر دو آدمی، امارات میں اول کنڈکٹر ہوتا نہیں، دوسرے ڈرائیور سچے ایماندار ہوتے ہیں، برابر ہاتھ میں تسبیح لیے رہتے ہیں، بے اصولی کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔ سیٹی بس کے لیے آدھار کارڈ کی سائز کا ایک بس کارڈ ہوتا ہے جو بڑے اسٹیشنوں پر دستیاب ہوتا ہے، جسے ریچارج کرانا پڑتا ہے، اگر آپ کے کارڈ میں پیسہ ہے تبھی بس پر سوار ہو سکتے ہیں، بس پر سوار ہوتے ہی بس کے دروازے پر متعینہ جگہ کارڈ مس کرنا پڑتا ہے، کارڈ میں بیلنس رہے گا تو صحیح کا نشان آ جائے گا ورنہ لال نشان، بغیر بیلنس کے سوار ہوئے تو بہت ممکن ہے کہ اگلے اسٹیشن پر آپ پکڑ جائیں، کیونکہ اکثر

اوقات شرطہ بس اڈوں پر ٹہلتے رہتے ہیں، بس رکتے ہی چڑھتے جاتے ہیں، اور بس پر سوار سبھی لوگوں کا کارڈ لے کر اپنی مشین سے چیک کرتے ہیں کہ بیلنس آپ کے کارڈ میں تھا کہ نہیں۔ کاش ایسا سسٹم ہمارے ملک میں ہو جاتا۔

سڑکوں پر جگہ جگہ خوبصورت رسم الخط میں عربی زبان میں لکھی تختی لگی ہوئی ہے، سڑک سے متصل اگر کنواں ہے تو بورڈ پر لکھا ملے گا" حفریات عمیقۃ" آگے سرکل ہے تو لکھا ملے گا" خفف السرعۃ" پل برج ہے تو" اما مک جسر" چڑھان، ڈھلان پر" سبحان اللہ" الحمدللہ" " اللہ کبر" جیسیے کلمات جلی قلم سے لکھے ہوئے ملتے ہیں۔ سیٹی بسوں پر" المواصلات العامۃ" لکھا رہتا ہے" خارج شہر" کی بسوں پر" حافلات النقل بین المدن" عربی کے ساتھ ساتھ انگلش میں بھی واضح الفاظ میں لکھے ملتے ہیں۔ بس کے اندر اپنی سیٹ پر بیٹھ کر دوسری سیٹ پر پیر نہیں رکھ سکتے تا کہ دوسرے لوگوں کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہونچے، چنانچہ بس کے اندر کھا ملتا ہے" لاتضع قدمیک علی المقاعد". یو ای اے" متحدہ عرب امارات" کی سڑکوں، شاہراہوں بلکہ دکانوں اور کمپنیوں کے نام بیشتر صحابہ، تابعین، اکابرین اور زعمائے امت کے نام پر رکھے جاتے ہیں۔ شارع ابوعبیدۃ بن الجراح، شارع ام مکتوم، شارع اویس قرنی، شارع واسط، شارع شیخ زائد، شارع شیخ راشد، شارع ابوبکر الصدیق، شرکۃ علامہ عینی، شرکۃ الذھبی، شرکۃ الصحابہ، مطعم عمر الخیام، شمش الائمہ، شرکۃ اللؤلو والمرجان، شرکۃ البدایۃ والنہایۃ وغیرہ جیسے نام بکثرت مشاہدے میں آئے۔

پارکنگ

پارکنگ کا حسن انتظام بس دیکھتے رہ جایئے، کوئی بھی دکان چھوٹی ہو یا بڑی، مسجد، مول تفریح گاہ ہو یا کھیل کا میدان ہر جگہ پارکنگ کا بے مثال انتظام ہے، پینٹ دوارہ گاڑی کھڑی کرنے کے لیے گاڑی نما دائرہ بنا ہوتا ہے اس دائرے کے اندر ہی گاڑی کھڑی کر سکتے ہیں، ہمہ وقت خفیہ ایجنسی مستعد رہتی ہے، گاڑی صحیح طریقہ سے پارکنگ میں لگی ہے کہ نہیں، بے ضابطہ دیکھتے ہی شرطہ آ کر گاڑی کا فوٹو لے گا اور مخالفہ (جرمانہ) کی بل مشین سے نکال کر گاڑی پر چسپاں کر کے چلتا بنے گا، اب آپ آفس میں جا کر رقم جمع کریں۔ پارکنگ نہ ملنے کی وجہ سے بعض دفعہ آدھے آدھے گھنٹے تک لوگ گاڑی دھیمی رفتار سے گھماتے رہتے ہیں، کہ کوئی گاڑی پارکنگ سے نکلے تو ہم اپنی گاڑی ٹھکانے لگائیں۔ گھمانا اس لیے پڑتا ہے کہ راستے میں کھڑی کر نہیں سکتے۔ مخالفہ کے باب میں کالے گورے، عربی عجمی مقیم اور مسافر سب برابر ہیں، زد میں آنے پر کسی کو نہیں بخشا جاتا، اسی وجہ سے کہنے والے کہتے ہیں کہ" امارات" دنیا کا واحد سیکولر ملک ہے، اس کے قوانین سب کے لیے یکساں ہیں، یہاں کی حکومت سب کو ایک نظر سے دیکھتی ہے، اور سختی سے عمل کرتی ہے اور شاید ترقی کا سب سے بڑا راز یہی ہے۔ یوں تو دنیا میں بہت سے بڑے بڑے اور مالدار ممالک موجود ہیں، مگر ترقی کے باب میں چائینا کے بعد" امارات" کا نمبر آتا ہے، یہاں پر تجارت اور حرفت وصنعت کے لیے پوری دنیا سے لوگ جوق در جوق آتے ہیں، اور اپنا گذر بسر کرتے ہیں۔

انسان کو ہمیشہ متحرک ومستعد اور چاک وچوبند رہنا چاہیئے، اس کے لیے حکومت مشورہ دیتی رہتی ہے، چنانچہ یہاں کی سڑکوں پر لکھا ملتا ہے" کن متسابقا متحرکا" ڈرائیور کو برابر چوکنا رہنا پڑتا ہے، جگہ جگہ سڑک کے بیچ کیمرے نصب کیے گے ہیں جو گاڑیوں کی رفتار کو کیچ کرتے ہیں، جو بھی سائق مقررہ رفتار سے زائد گاڑی بھگائے گا وہ کیمرے کی زد میں آجائے گا۔ ایک پاکستانی ڈرائیور سے اس موضوع پر بات ہوئی تو کہنے لگے اگر کوئی کسی فرد کو لے کر بھاگ جائے، اسکے گھر والے رپورٹ درج کرادیں کہ گاڑی کا نمبر یہ۔۔۔۔ ہے ہمارے آدمی کا پتہ نہیں ہے تو گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں یہاں کی پولس پتہ لگالے گی، اس لیے کی ہر گاڑی کا نمبر اور اس کی رفتار کیمرے میں کیچ ہے، جس روٹ سے گاڑی گذری ہوگی اور جس وقت گذری ہوگی مشین پر فٹ ٹائم بتلادیگی۔

مسجدوں کا شہر شارجہ

امارات اسلامی سلطنت کا نمونہ ہے، یہاں اصول، ضابطے اور اسلامی روایات کا مشاہدہ ہوتا ہے، ہر طرف مساجد، مدارس، لحن داؤدی میں اذان واقامت، ایک سے بڑھ کر ایک قاری جس کی قرات قرآن سن کر دل مچل جاتا ہے، مسجدیں انگنت اس کے باوجود ہر نماز میں مسجدیں بھر جاتی ہیں، باہر سڑکوں تک صفیں لگی رہتی ہیں، شارجہ کا کوئی تراہا، چوراہا، بس اڈہ، پارک مسجد سے خالی نہیں، جس طرح ہندوستان میں بھوپال کو مسجدوں کا شہر کہا جاتا ہے اسی طرح امارات

میں شارجہ مسجدوں کا شہر ہے، یہاں کے شیخ، خلیفہ نیک سیرت، متقی دیندار اور اسلامی اقدار کے محافظ ہیں، اسی کا اثر ہے کہ یہاں اسلامی فضا قائم ہے، مساجد کا جال بچھا ہے۔

آج پچیس مارچ ہے، صبح سات بجے کی ممبئی کے لیے فلائٹ ہے، سحری کے بعد مولانا محمد ندیم، مولانا نوشاد اور مولانا و مفتی عبدالرحمان صاحبان وغیرہم نے یہاں کا سسٹم دیکھ کر یہاں کے سلاطین، امرا اور حکام کے حق میں دل سے دعا نکلتی ہے، اللہ تعالیٰ امارات اور اسکے تمام حکام کی حفاظت فرمائے، عوام کی خدمت کا مزید موقع فراہم فرمائے، اور اللہ رب العزت اس ملک میں مقیم تمام لوگوں پر اپنا خاص فضل نازل فرمائے، آمین ثم آمین یارب العالمین۔

آج 25 / مارچ ہے، صبح سات بجے کی فلائٹ ہے، سحری کرنے کے بعد مولانا محمد ندیم، مولانا محمد نوشاد اور مولانا و مفتی عبدالرحمان صاحبان وغیرہم نے ایئرپورٹ جانے کے لیے گاڑی کا انتظام کیا الوداع کہتے ہوئے توشہ راہ بھی ہمراہ کر دیا، اور بخیر و عافیت بارہ بجے دن ممبئی پہونچ گیا، اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، صحت وتندرستی عطا فرمایے۔ آمین۔

مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی سیمینار

انصار احمد معروفی

''سہارا ایکسپریس'' پٹنہ اخبار کے مطالعہ کے دوران اطلاع ملی کہ 22 نومبر 2022 کو یک روزہ بین الاقوامی سیمینار دربھنگہ میں منعقد ہونے والا ہے، اس خبر میں مقالہ لکھنے اور شرکت کی عام دعوت دی گئی تھی۔ واٹس ایپ پر موصول ہونے والے اس اخبار کی اہم اطلاع پر یک گونہ اس لیے بھی مسرت حاصل ہوئی کہ اگر چہ راقم الحروف نے حضرت مفتی صاحب سے دارالافتا دیوبند میں تعلیم تو حاصل نہیں کی مگر مئو ناتھ بھنجن یوپی میں ان تعلیم، فراغت اور محدث عصر ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی اور حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سے گہرے تعلقات کی نسبت اور مئو سے محبت رکھنے کی وجہ سے اس سیمینار کے لیے مقالہ لکھنے کا جذبہ پیدا ہوا اور میں نے مقالہ تحریر کرنے کا عزم کرلیا۔

چنانچہ اس کے متعلق مزید معلومات کے لیے اس کے کنوینر مولانا محمد اعجاز صاحب قاسمی سابق چیرمین بہار مدرسہ تعلیمی بورڈ سے رابطہ کیا، آپ کا نمبر اخبار میں شائع کیا گیا تھا۔ مولانا سے جب میں نے اس پروگرام کے متعلق معلومات حاصل کی تو انہوں نے اس کا دعوت نامہ میرے واٹس ایپ پر ارسال کر دیا۔ جس پر بہت سے عناوین دیے گئے تھے۔ میں نے ان عناوین پر غور کرنے کے بعد اپنے لیے ایک نئے عنوان" مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی اور مئو" تجویز کیا۔

پھر بندہ نے اس موضوع پر مصادر کی فراہمی کے سلسلے میں غور وفکر کیا۔ تو سب سے پہلے میں نے" تذکرہ مولانا عبداللطیف نعمانی" کتاب لی؛ جو ہماری لائبریری المعارف دارالمطالعہ پورہ معروف میں موجود تھی اور میرے مطالعے میں آچکی تھی۔ اس کا پھر سے مطالعہ کیا۔ دیگر مراجع کے لیے ذہن میں یہ بات آئی کہ مفتی صاحب کے صاحبزادے مولانا احمد سجاد صاحب؛ جو میرے فیس بک کے ساتھیوں میں سے تھے، ان کی وال پر میں نے کچھ دنوں پہلے مفتی صاحب کے متعلق کئی مضامین پڑھے تھے۔ ان سے تعاون مل سکتا ہے، اس لیے میں نے ان سے رابطہ کیا اور ان سے مشورے کے بعد ان کی وال سے اپنے موضوع سے متعلق مواد منتخب کیا۔ اس کے علاوہ" حیات ابوالمآثر" کا مطالعہ کیا۔ نیز ترجمان الاسلام بنارس کے ابوالمآثر نمبر کو بھی سامنے رکھا۔ اس طرح گوگل سرچ کے ذریعے کچھ مواد حاصل کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بہت کچھ معلومات دستیاب ہوگئی۔

پھر اللہ تعالیٰ کے نام سے مقالہ لکھنا شروع کیا اور بفضل اللہ 15 صفحہ کا مقالہ تیار ہوگیا۔ یہ مقالہ 15 اکتوبر 2022 تک ہر حال میں ارسال کرنا ضروری تھا۔ اسے میں نے واٹس ایپ اور ای میل ایڈرس کے ذریعے بھیج دیا، پروگرام میں شرکت کے لیے میں نے جب معلومات حاصل کرنی چاہی کہ کیا اس پروگرام میں مئو سے کوئی صاحب شرکت کررہے ہیں؟ تو جواب ملا کہ کوئی صاحب نہیں ہیں۔ تنہا ہونے کی وجہ سے میں نے سفر سے معذرت کر لینے میں عافیت سمجھی۔ کہ اسی دوران مولانا محمد اعجاز صاحب کا فون آیا کہ آپ نے ٹکٹ بنوالیا؟ میں نے تنہا ہونے کی وجہ سے سفر کا عذر کیا تو انہوں نے نہایت اصرار

کر کے ٹکٹ بنوانے پر زور دیا۔ دریں اثنا ایک دن اپنے یہاں بازار میں حافظ محمد رضوان صاحب بانسہ سے ملاقات ہوئی اور باتوں باتوں میں اس سیمینار کا تذکرہ نکل آیا، میں نے انہیں ساری باتیں بتائی تو وہ ساتھ چلنے کے لیے رضامند ہو گئے۔ اس طرح پھر سفر کرنے اور ٹکٹ بنوانے کا ارادہ کر لیا۔

21 نومبر کا ٹکٹ نکلوالیا، اور پھر وقت کے مطابق ''باپودھام ایکسپریس'' مئو سے صبح 30-9 پر مظفر پور کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ سیمینار دربھنگہ کے ''سوبھن'' قصبہ میں تھا۔ قاعدے کے اعتبار سے ہمیں وہیں کا ٹکٹ لینا چاہیے تھا۔ مگر ریزرویشن نہ ملنے کے باعث مظفر پور کو متبادل کے طور پر منتخب کرنا پڑا۔ مظفر پور میں ٹرین پہنچنے کا متعینہ وقت 10-6 منٹ پر شام کو تھا، مگر سپر فاسٹ یہ ٹرین سوا گھنٹہ تاخیر سے پہنچی۔ مظفر پور سے دربھنگہ واپس آنا تھا، یہ مسافت 65 رکیلومیٹر پر مشتمل تھی۔ دوران سفر اس سیمینار کے داعی اور محرک حضرت مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز صاحب قاسمی سابق چیرمین بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے رابطہ قائم رہا۔ انہوں نے بتایا کہ اسی وقت کے آس پاس امروہہ سے مفتی ریاست علی صاحب مظفر پور تشریف لائیں گے، میں گاڑی بھیج رہا ہوں، آپ اور وہ ایک ساتھ آجائیں۔ میں نے ٹرین کی تاخیر کے متعلق انہیں جب خبر کی تو تسلی بخش جملہ کہتے ہوئے فرمایا کہ گھبرائیں نہیں، جب تک آپ لوگ نہیں آجائیں گے وہ گاڑی انتظار میں اسٹیشن پر موجود رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مفتی صاحب ہم لوگوں سے ڈیڑھ گھنٹے قبل اسٹیشن آچکے تھے، مگر ویٹنگ ہال میں ہماری آمد کے منتظر رہے۔

مفتی صاحب اصلا رامپور کے ہیں، ہم لوگوں کے معاصرین میں شامل ہیں، مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب معروفی استاد حدیث دارالعلوم دیوبند کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ یعنی ہم لوگوں سے ایک سال بعد 1986ء میں دیوبند سے فارغ شدہ ہیں۔ انہوں نے دارالافتا دیوبند میں داخلہ لیا اور براہ راست حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی کی شاگردی میں داخل ہوئے، مولانا ریاست علی صاحب بہت خوش دل، ملنسار اور محنتی ہیں۔ راستے میں ہی ان سے تعارف کے طور پر بہت ساری باتیں ہوئیں۔ وہ دیوبند اور دیگر اداروں کے اساتذہ کے متعلق بڑی مفصل معلومات رکھتے ہیں، وہ دور طالب علمی سے لے کر اب تک برابر اپنے اساتذہ اور دیگر علمائے کرام سے پرخلوص تعلق اور محبت رکھتے ہیں، دیوبند کے سابق اور موجودہ اساتذہ سے متعلق انہیں بے انتہا معلومات حاصل ہے۔ تعلیمی استعداد مضبوط اور یادداشت مستحضر ہے۔ فقہی سیمیناروں میں شرکت کرتے ہیں اور بہت سے موضوعات پر مضامین قلمبند کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ میرے اساتذہ میں ایسے کوئی استاذ نہیں جن کے پاس جا کر مجھے اپنا تعارف کرانا پڑے، کیوں کہ میں سارے اساتذہ سے برابر ملاقات کرتا رہتا ہوں، اسی کے لیے دیوبند سے سفر کرتا ہوں۔

آپ کی تازہ اور اہم تصنیف تصوف سے متعلق ہے، جس کا نام "فقیہ امت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی کے خلفائے عالی مقام" ہے، جو مطبوعہ دو جلدوں میں ہے، جب کہ انہوں نے تیسری جلد بھی مکمل کر لی ہے مگر ابھی غیر مطبوعہ ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے حضرت فقیہ الامت کے تمام خلفا کی سوانح حیات مرتب کر کے شائع کی ہے۔ تاریخ اور تذکروں پر کام کرنے والے حضرات اس راہ کی صعوبتوں سے بخوبی واقف ہیں، کہ کیسے کیسے مشکل حالات سے گزر کر کسی کے صحیح احوال جمع کیے جاتے ہیں؟ تب کہیں جا کر ایک قطرہ آب گہر بنتا ہے، اور اس میں چمک دمک پیدا ہوتی ہے:

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

مفتی صاحب کے پاس اس کتاب کے دو ہی نسخے تھے جو متعینہ شخصیات کے نام مخصوص تھے، اس لیے انہوں نے وعدہ کیا کہ میں کسی کے ذریعے آپ کے پاس اس کا نسخہ تبصرے کے لیے بھیجوں گا۔ مفتی صاحب تقریباً 20 سال ہاپوڑ کے مدرسہ خادم الاسلام میں درس دے چکے ہیں، اس وقت آپ جامع مسجد امروہہ میں استاد حدیث ہیں۔ اساتذہ سے ملاقات کے لیے پابندی سے جانے، ان کی خدمت کرنے اور ان کی دعائیں لینے میں آپ ممتاز ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہاپوڑ اور امروہہ دیوبند سے قریب ہونے کی بنا پر میں اکثر دیوبند جاتا رہتا ہوں، میرے اساتذہ میں ایسا کوئی نہیں جو مجھے اچھی طرح جانتا اور پہچانتا نہ ہو، اکثر حضرات اپنے اساتذہ سے ملاقات کے وقت کہتے ہیں کہ حضرت! میں آپ کا شاگرد ہوں۔ جب کہ مجھے اس کی نوبت نہیں آئی۔ مفتی صاحب ہر سال دارالعلوم دیوبند امتحان کی کاپیاں جانچنے کے لیے جاتے تھے۔ اس طرح حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی سے بھی گہرا تعلق تھا، اسی تعلق کی بنا پر آپ اس سیمینار میں شرکت کے لیے امروہہ سے پہنچے تھے۔ آپ جمعیت علمائے ہند سے وابستہ ہیں اور یوپی کے بہت سے علاقوں میں اصلاح معاشرہ پروگرام میں شرکت کر چکے ہیں۔ مئو کے اکثر قصبات میں بھی جا چکے ہیں۔

مولانا سے یہ میری پہلی ملاقات تھی جس کا دل پر گہرا اثر مرتب ہوا۔ آپ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا محمد طلحہ صاحب سے بیعت ہوئے، اور انہی سے اجازت یافتہ ہیں، آپ اور مفتی عبداللہ صاحب معروفی پیر بھائی بھی ہیں۔ مظفر پور اسٹیشن پر اترنے سے قبل ڈرائیور سے بھی رابطہ ہوگیا تھا۔ اسٹیشن پر اترتے ہی باہر ڈرائیور سے فون کے ذریعے رابطہ ہوگیا، اس نے جلدی سے سامان اٹھایا اور گاڑی میں رکھ کر اپنی ذمہ داری سنبھال لی اور ڈیڑھ گھنٹے میں ہم لوگ نیشنل ہائی وے 57 سے گزرتے ہوئے سوبھن پہنچ گئے۔ راستے میں مولانا اعجاز صاحب برابر حالات سے باخبر رہنے کے لیے فون کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سوا نو بجے تک ہم لوگ مولانا اعجاز صاحب کے وسیع وعریض حویلی نما گھر پر پہنچ گئے، ڈرائیور نے گاڑی اندر پارک کرلی، مولانا ازراہ تواضع مہمانوں کے لیے چشم براہ تھے۔ سلام ومصافحہ اور معانقہ ہوا۔ نیپال اور بہار کے کئی علمائے کرام پہلے سے وہاں موجود تھے۔ سب سے ملاقات اور تعارف ہوا۔ ضروریات سے فراغت کے بعد لذیذ اور مرغن غذاؤں کے حسن انتظام نے مولانا کے گھر کی پردہ نشینوں کی تعریف وتوصیف پر مجبور کردیا۔ پرتکلف عشائیہ کے بعد نمازیں ادا کی گئیں۔ اب کہیں بھی مسجد کے علاوہ کھلی جگہ میں نماز ادا کرنے پر پابندی عائد کردی گئی ہے۔

مولانا نے یوپی کے ہم علمائے کرام کے لیے حویلی کی بالائی منزل کو منتخب کیا ہوا تھا۔ الگ الگ کمروں میں مچھروں سے تحفظ کے لیے دوا کا چھڑکاؤ کردیا گیا تھا، حالانکہ عام جگہوں پر مچھروں کی بہتات تھی، نئے نئے مہمانوں سے مچھر ٹوٹ کر مل رہے تھے اور اپنی غیر مترقبہ خوشی کا اظہار کرتے جارہے تھے، اس وقت میں ہمیں دن بھر کی تکان کے باعث رات کی آرام دہ نیند بھی خطرے میں نظر آرہی تھی۔ مگر حفظ ماتقدم کے طور پر دوا کے چھڑکاؤ کی وجہ سے ہمیں اللہ کی رحمت سے بہت آرام مل گیا، مزید آل آؤٹ کے لگ جانے سے جو اطمینان وسکون حاصل ہوا اس پر مولانا اور ان کے فرمانبردار لڑکوں کے لیے دل سے دعا نکلی کہ جس طرح انہوں نے ہم لوگوں کو پردیس میں راحت پہنچائی اللہ تعالیٰ مولانا اعجاز صاحب اور ان کے اہل خانہ کو بھی راحت وآرام پہنچائے۔ رات کو الحمدللہ اچھی نیند آئی، صبح کو جب ہم لوگ نماز فجر کی ادائیگی کے لیے مسجد پہنچے تو جماعت کے وقت کے متعلق صحیح معلومات نہ ہونے کی بنا پر جماعت سے محروم رہ گئے۔ مسجد ہی میں وہیں کے ایک صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے ہم لوگوں سے اور ہم لوگوں نے ان سے بہت سی معلومات سے واقفیت کا تبادلہ کیا۔ بعد میں امام مسجد سے بھی ملاقات ہوگئی، وہ قریب کے کسی گاؤں کے باشندے ہیں مگر اب وہیں مستقل طور پر آباد ہوگئے ہیں۔ ان کی تنخواہ 9 ہزار روپے ہے۔ مسجد میں مکتب کے بچوں کو تعلیم بھی دیتے ہیں۔

مفتی ریاست علی صاحب کے کئی شاگرد بہار میں موجود ہیں جو ملاقات کے لیے حاضر ہوئے، ان میں سے کئی ایک ایسے تھے جو اس سیمینار میں مدعو تھے۔ جن میں مفتی عین الحق امینی قاسمی ناظم معہد عائشہ صدیقہ، بیگوسرائے، بہار بھی شامل ہیں جو مقالہ نگار بھی تھے۔

فجر کی نماز اور تلاوت کے بعد مولانا محمد اعجاز صاحب نے انڈا، بسکٹ اور نمکین کے ساتھ چائے پلائی، اب مہمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ پروگرام 9 بجے سے شروع ہونے والا تھا، اس کے پہلے تمام مہمانوں کو بہترین ناشتہ کرایا گیا، اس دوران بہت سے علمائے کرام سے ملاقاتیں ہوئیں، جن میں مولانا اختر امام عادل صاحب سمستی پور، مفتی ثناء الہدی نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ، امیر شریعت مولانا سید احمد ولی فیصل رحمانی صاحب، مولانا احمد سجاد صاحب، مولانا اویس صاحب، جن کی تعلیم مئو اور خیرآباد میں ہوئی۔ مولانا محمد جاوید صاحب جنہوں نے فارسی اور عربی کی تعلیم عربی پنجم تک مدرسہ معروفیہ میں حاصل کی۔ نیز مولانا حافظ محمد امتیاز صاحب خانقاہ رحمانیہ مونگیر۔ مولانا شبلی القاسمی صاحب۔ مولانا عین الحق صاحب امینی وغیرہم سے تعارف حاصل ہوا۔

ناشتے کے بعد میں اپنے ساتھی حافظ محمد رضوان صاحب کے ہمراہ سیمینار ہال میں پہنچا۔ یہ مدرسہ اصلاح البنات سوبھن کی ایک عظیم الشان دومنزلہ عمارت ہے جس میں بچیوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔ یہاں دارالاقامہ کا بھی انتظام ہے۔ اوپر کے ہال میں پروگرام کا انتظام تھا۔ امیر شریعت کو اس پروگرام کی صدارت کرنی تھی جو مدھوبنی کے ایک دینی جلسے میں گزشتہ رات مدعو تھے۔ ان کی تشریف آوری میں تاخیر کے باعث پروگرام کے آغاز میں بھی تاخیر ہوتی گئی۔ گیارہ بجے کے قریب سیمینار کا آغاز ہوا۔ ابتدائی پروگرام کی نظامت مولانا شبلی القاسمی قائم مقام ناظم امارت شرعیہ بہار نے انجام دی۔ مدرسہ اصلاح البنات سوبھن کی ایک بچی عافیہ پروین نے تلاوت قرآن سے پروگرام کا آغاز کیا۔ جس کا ترجمہ اسی ادارہ کی ایک طالبہ حشمت پروین نے پیش کیا، یہ سب بچیاں نیچے ہال میں موجود رہ کر پروگرام پیش کرتی رہیں۔ اس کے بعد نورصبا نرگس نے ترنم سے حمد باری پڑھی۔ نعت رسول پڑھتے ہوئے صالحہ پروین نے

محفل کو روحانی بنادیا۔ یہ نعت قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تھی۔ ڈاکٹر محمد صاحب نے تمہیدی تقریر میں کہا کہ مولانا اعجاز صاحب ہمت والے شخص ہیں۔ آپ نے بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے چیرمین رہ کر 400 مدارس کی گرانٹ منظور کرائی، یہ آپ کا وہ کارنامہ ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے تعلیم کو عام کرنے کے لیے آئی ٹی آئی کا تین ادارہ قائم کیا۔ بزرگوں سے آپ کو بہت عقیدت ومحبت ہے۔ ان کی خدمت کر کے آپ کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ نیز آپ کو خانقاہی نظام سے گہرا تعلق ہے۔ آپ نے بچوں میں بھی اس اثر کو منتقل کیا ہے۔ اب تک حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی پر کہیں کوئی سیمینار نہیں ہوا تھا۔ حالانکہ اب تک ہوجانا چاہیے تھا۔ سابق امیر شریعت حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے سے یہ پروگرام منعقد کیا گیا، لاک ڈاؤن کی وجہ سے تاخیر ہوتی گئی۔ مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز صاحب کام کرنے والے آدمی ہیں، آپ کے عزائم بہت بلند ہیں۔ امید ہے کہ اپنے اکابر علما کی حیات وخدمات کا تذکرہ کرنے کے لیے اس طرح کے پروگرام منعقد کیے جاتے رہیں گے۔ آج اس کے صدر مجلس امیر شریعت مولانا سید احمد ولی فیصل صاحب ہیں۔ جو بڑے باپ کے بڑے بیٹے ہیں۔ جو مختلف قسم کے امتحانات میں شامل ہونے والے بچوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں۔ آپ جامعہ رحمانیہ کے سرپرست ہیں۔ سیمینار کے ذمہ داران کی جانب سے پھران کا استقبال کیا گیا اوران کو شال اور ٹوپی اڑھائی گئی۔

اس کے بعد مولانا حافظ امتیاز صاحب نے پروگرام کو آگے بڑھایا۔ پھر نائب امیر شریعت مولانا شمشاد رحمانی اور قاضی انظر قاسمی اور دوسرے حضرات کا شال اور ٹوپی کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ ساتھ ہی مولانا ناظم صاحب ناظم جمعیت کا بھی استقبال کیا گیا۔ اس کے بعد انجینئر محمد فخر الدین قمر صاحب صدر مجلس المدد ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ پٹنہ نے خطبۂ صدارت پیش کیا۔ اسی ٹرسٹ کے اشتراک سے اس پروگرام کا انعقاد عمل میں آیا۔ حاضرین محفل کی اہم اہم شخصیات کو اسٹیج پر عزت واحترام کے ساتھ مدعو کیا گیا جس میں مولانا احمد سجاد صاحب اور راقم الحروف انصار احمد معروفی بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد پردہ نشیں بچیوں نے امیر شریعت کی شان میں استقبالیہ نظم پیش کی۔ مولانا کے تربیت یافتہ شاگرد مصنف مفتی اختر امام عادل صاحب مہتمم جامعہ رحمانیہ سمستی پور کو افتتاحی کلمات کے لیے مدعو کیا گیا۔ جس میں انہوں نے دربھنگہ کا تعارف، نامور شخصیات اور مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی صاحب کی علمی ادبی اور تاریخی خدمات کو اجاگر کیا۔ مولانا نے بتایا کہ ہمیں ان کی خدمات کا شرف ملا۔ وہ سمستی پور گئے، سنگ بنیاد رکھا۔ ان کی حیات میں ان کی خدمات کا اعتراف کرنے کے لیے ہم لوگوں نے پروگرام کیا۔ ایسا ہی ایک پروگرام ان کی زندگی میں حیدرآباد میں مولانا رضوان القاسمی دربھنگوی نے منعقد کیا۔ جس میں مولانا سعود عالم قاسمی ناظم دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے مقالہ پیش کیا۔ میرے لیے خوشی کی بات یہ ہے کہ میرے تعارفی مقالہ کو پڑھنے کے بعد مفتی صاحب نے اس پر دستخط بھی کیے۔ مگر ان کی حیات میں وہ شائع نہیں ہوا۔ میرا مقالہ محفوظ ہے اور وہ اب شائع ہوکر سیمینار میں پیش ہوا۔ یہ شرف مجھے حاصل ہوا۔

مفتی صاحب کی کئی اہم خصوصیات میں سے یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خدمات کو پیش کرنے کے لیے ایسے میدان کا انتخاب کیا جو نامانوس تھا۔ انہوں نے کچھ ایسے کام کیے جنہیں ہم ان کی اولیات میں شمار کرتے ہیں۔ ان کی دیگر خدمات بھی مشکل میدانوں میں رہی ہیں۔ مثلاً:

1۔ مساجد کو نظام کے تحت لانا۔ یہ تصور علامہ گیلانی نے پیش کیا تھا۔

2۔ تعلیم مساجد۔ مفتی ظفیر الدین اکیڈمی کے تحت یہ کتاب میں نے شائع کی۔ مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی جرات رندانہ کے ساتھ بصیرت شاہانہ بھی رکھتے تھے۔

3۔ دیوبند میں نئی تنظیم فرق باطلہ کے رد میں شعبہ قائم کیا۔

4۔ افراد سازی کی ابتدا۔ انہوں نے اہل قلم کی ٹیم تیار کی۔

5۔ تنظیم فتاویٰ کا عظیم الشان ذخیرہ جمع کیا۔

اس کے بعد قاضی محمد انظار عالم صاحب قاسمی قاضی شریعت امارات شرعیہ بہار واڑیسہ نے اپنا مقالہ بعنوان ''مفتی صاحب، جامع شخصیت'' پیش کیا۔ پھر ناظم سیمینار نے کہا کہ خوشی کی بات ہے کہ تمام مقالوں کو مولانا محمد اعجاز صاحب نے کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے، جس کا ابھی حضرت امیر شریعت کے ہاتھوں اجرا کیا جائے گا۔ اس لیے سبھی مقالہ نگار حضرات اپنے اپنے مقالات کی تلخیص پیش کریں۔ مولانا اعجاز صاحب نے اس کتاب میں تقریباً 43

مقالے شائع کیے ہیں، جن حضرات کے مقالے متعینہ تاریخ کے بعد دستیاب ہوئے وہ اس میں شائع نہیں کیے جا سکے ہیں، البتہ اس پروگرام میں ان کی فہرست پیش کردی گئی۔اس کے بعد مولانا عبدالقیوم رحمانی صدر ملی کونسل نیپال نے اپنے مقالے کا خلاصہ پیش کیا۔پھر صفی اختر صاحب آل انڈیا ملی کونسل نئی دہلی نے اپنا مقالہ پڑھا، جس کا عنوان تھا'' مفتی صاحب کا اسلوب نگارش''۔اس کے بعد دیگر شخصیات نے اپنے اپنے مقالے پڑھے۔مولانا محمد اعجاز صاحب اور ناظم پروگرام حافظ محمد امتیاز صاحب نے تاکید کی کہ صرف دو دو منٹ میں اپنی بات پیش کریں۔کیوں کہ سارے مقالات شائع ہو چکے ہیں۔

پھر مولانا محمد اعجاز صاحب نے اپنا مقالہ پیش کیا اور فرمایا کہ میرے مقالے میں جو باتیں آجائیں وہ پھر نہ دہرائی نہ جائیں۔اس طرح سبھی حضرات نے کم سے کم وقت میں اپنی بات پیش کی۔راقم الحروف کے مقالہ کا عنوان تھا" حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی اور مئو" میں نے دو منٹ میں اپنی بات رکھی۔مولانا احمد سجاد صاحب اور حضرت امیر شریعت نے بھی وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی اپنی بات مکمل کی۔یہ سیمینار آب وتاب کے ساتھ جاری تھا، ذمہ داروں کے سروں پر کام اور ہر ایک کے ساتھ مناسب سلوک کرنے کا بڑا بوجھ ہوتا ہے، میں نے پروگرام کے دوران دیکھا کہ اس پروگرام کے داعی مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز احمد صاحب تواضع کا مظاہرہ کرتے ہوئے سامعین کی صف میں پہنچ کر سب کی باری باری خیریت دریافت کرتے اور ان کی دلداری کے واسطے ان کے پاس بیٹھ بھی جاتے۔اور قابلِ ذکر شخصیات کو سامعین کی صف سے مدعو کر کے انہیں رونق اسٹیج کرتے۔

پروگرام جاری تھا، اس دوران مولانا نذر الہدیٰ صاحب نے اپنا مقالہ" مفتی صاحب اور درس قرآن" پیش کیا۔مولانا شبلی صاحب قائم مقام ناظم امارت شرعیہ نے جو مقالہ پیش کیا اس کا عنوان تھا" مفتی صاحب اور امارت شرعیہ"۔مفتی محمد ثناء الہدی صاحب قاسمی نائب ناظم امارت شرعیہ کے مضمون کا عنوان تھا'' مفتی صاحب اور فکر آخرت''۔مولانا مفتی ریاست علی صاحب رام پوری کا مقالہ تھا" مفتی صاحب کی فقہی بصیرت"۔مفتی ارشد علی رحمانی قاضی شریعت دار القضا امارت شرعیہ دربھنگہ کا مقالہ" مفتی صاحب زبان و بیان اور لوح وقلم کے شہسوار" تھا۔مولانا محمد شمشاد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت بہار، کا مقالہ تھا" مفتی صاحب ایک عظیم فقیہ"۔ڈاکٹر مشکور عثمانی علیگ، سابق صدر طلبہ یونین علی گڑھ نے بھی خطاب کیا اور مفتی صاحب کی خصوصیات کو بیان کیا، جس میں کہا کہ دینی اور عصری تعلیمی ادارے قائم کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔حافظ مولانا امتیاز رحمانی صاحب ناظم شعبۂ نشر واشاعت، جامعہ رحمانیہ مونگیر نے بھی نظامت کے دوران مفتی صاحب کی حیات وخدمات پر روشنی ڈالی، آپ کے مقالہ کا عنوان تھا" مفتی صاحب سدا بہار شخصیت"۔مولانا احمد سجاد صاحب قاسمی جو مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی کے بڑے صاحب زادے ہیں اور ایک کالج سے متقاعد ہیں، انہوں نے بھی اظہار خیال کیا اور والد مرحوم کی خصوصیات بیان کیں۔مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جمعیت علمائے ہند نے اپنی شستہ تقریر میں کہا کہ ہم سب کتاب وسنت کے پیروکار بنیں اور ان کی اچھی چیزوں کو اپنائیں۔

مولانا محمد سید احمد ولی فیصل رحمانی صاحب نے اولاً سبھی ذمہ داروں کا شکریہ ادا کیا۔اور فرمایا کہ مفتی صاحب تجربہ کار اور محقق ہونے کے ساتھ منتظم بھی اعلیٰ درجے کے تھے۔وہ بہتر سے بہتر کام کرنا چاہتے تھے۔ ان کا یہ دونوں عنصر ان کی کتابوں پر بھی نظر آتا ہے۔دار العلوم دیوبند میں رہ کر تمام فتاویٰ پڑھنا اور پھر مرتب کرنا بہت اہم کام تھا۔مگر انہوں نے اس کی ایسی ترتیب دی کہ اب اس سے استفادہ آسان ہو گیا۔ثبات ان کی زندگی میں تھا۔وہ جہاں رہے وہیں کے ہو کے رہ گئے۔وہ ہر جمعرات کو مضمون لکھتے تھے جس پر دوام زندگی بھر رہا، حضرت امیر شریعت نے بتایا کہ مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی کی پوری زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی۔وہ ان موضوعات کو اپنی محنت کا میدان بناتے تھے جو پامال نہیں ہوا کرتے تھے۔پھر امیر شریعت نے دعا بھی فرمائی۔اور دوپہر 2 بج کر 16 منٹ پر یہ شاندار سیمینار ختم ہوا۔

مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز احمد نیا ظہار تشکر پیش کیا اور اعلان کیا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اگلا سیمینار'' قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کی حیات وخدمات'' سے متعلق منعقد ہوگا۔مقالہ نگار حضرات سے درخواست ہے کہ وہ ابھی سے مقالہ لکھنے کی تیاری شروع کر دیں۔اس کے بعد مدرسہ اصلاح البنات سوبھن دربھنگہ میں ظہر کی نماز ادا کی گئی پھر سبھی حاضرین شریک طعام ہوئے۔مولانا محمد اعجاز صاحب نے سبھی مقالہ نگار کو ایک خوبصورت بیگ دیا، جس میں کئی کتابیں موجود تھیں۔اور آمد ورفت کے خرچ کے طور پر تعاون کر کے حوصلہ افزائی کے ساتھ سچی قدردانی کی اور گھر تک پہنچتے پہنچتے فون کے ذریعے کئی بار خیریت دریافت کی، اللہ تعالیٰ ان کی پرخلوص جدوجہد کو قبول فرمائے اور ان کے سارے رفقائے کار کو بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے آمین۔

مولانا احمد سجاد صاحب سے ملاقات:

22 نومبر؛ جس وقت مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی سیمینار جاری تھا، اس دوران مجھ کو اور مفتی صاحب کے بڑے صاحب زادے مولانا احمد سجاد صاحب کو اسٹیج پر بلایا گیا، وہیں ان سے ملاقات ہوئی، یوں تو فون اور فیس بک کے ذریعے ان سے رابطہ پہلے سے تھا، لیکن ملاقات کی صورت آج پیدا ہوئی۔ دوران سیمینار زیادہ بات چیت نہیں ہو پائی، البتہ اس کے بعد ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا۔ مولانا مفتی ریاست علی صاحب رام پوری؛ جو ہمارے ساتھ کمرے میں تھے، انہوں نے مولانا احمد سجاد صاحب سے یہ تمنا ظاہر کی تھی کہ مفتی صاحب کی قبر پر فاتحہ خوانی کی آرزو ہے۔ احمد سجاد صاحب نے کہا کہ میرے ساتھ گاڑی موجود ہے، ساتھ چلیں۔ عصر کی نماز سے قبل مفتی ریاست علی صاحب نے مجھے اس کی اطلاع دی تو میں نے بھی ساتھ چلنے کی خواہش کا اظہار کر دیا۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ گاڑی میں گنجائش ہے یا نہیں؟

اب ایک مرحلہ مولانا محمد اعجاز صاحب سے اجازت لینے کا تھا۔ جن کے ہم مہمان تھے، اور ماشاءاللہ وہاں ہمیں ہر طرح کے آرام و راحت کا خیال رکھا گیا تھا۔ عصر کے بعد والی چائے کے دوران جس وقت کہ اکثر مہمان مولانا محمد اعجاز صاحب سے اجازت لے کر ہنسی خوشی واپس ہو رہے تھے، اس وقت مفتی ریاست علی صاحب رام پوری نے مولانا اعجاز صاحب سے مولانا احمد سجاد صاحب کے گھر جانے اور مفتی مفتاحی صاحب کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کی تمنا کا اظہار کیا تو مولانا اعجاز صاحب نے کہا کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ سارے مہمان ہمارے یہاں قیام کریں۔ پھر بھی کوئی شخص خوشی سے اگر کسی جگہ جانے کا خواہشمند ہے تو اس کی خواہش کا احترام کرنا بھی مناسب ہے۔ اس لیے جا سکتے ہیں۔ مفتی ریاست علی صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ واپسی کے لیے دربھنگہ ایر پورٹ وہاں سے زیادہ قریب ہے۔ اس لیے میں وہیں سے نکل جاؤں گا۔ ہم لوگوں نے بھی موقع دیکھ کر فوراً اپنی خواہش کا بھی ذکر کر دیا اور انھی کے ساتھ جانے کے لیے رضامندی کا اظہار کر دیا۔ جسے مولانا نے قبول کر لیا اور پھر فوراً تیاری کے بعد مولانا نے ہمیں آمد و رفت کے خرچ کو ہمارے حوالے کر دیا اور یوں سامان گاڑی میں رکھوا دیا گیا۔

گاڑی میں سوار ہونے کے بعد احساس ہوا کہ گاڑی میں گنجائش نہیں تھی۔ مگر ہم لوگوں کے لیے جگہ اس طرح بنائی گئی کہ جہاں سامان رکھا جاتا ہے وہاں کئی لوگوں کو بٹھا کر سامان ان کے اوپر لاد دیا گیا اور ہمیں آرام کے ساتھ بٹھایا گیا، اس طرح یہ سفر طے ہوا۔ پیچھے لوگ بمشقت بیٹھے تھے، مگر وہاں کے لوگ بہت جفاکش ہوتے ہیں، کیوں کہ وہ تو بہار ہے، جہاں ہر چیز حسب ضرورت کنورٹ کر لی جاتی ہے۔

مولانا محمد اعجاز صاحب نے مجھ سے کہا کہ میری تمنا تھی کہ آپ کل تک رکتے تو میں اپنے آئی ٹی آئی اداروں میں آپ کو لے جاتا اور دوسری جگہوں پر بھی ہم لوگ جاتے۔ میں نے کہا کہ ان شاءاللہ پھر کبھی یہ آرزو پوری ہوگی، آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے اتنی محبت اور کرم کا مظاہرہ کیا۔

سوبھن سے مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی کا گاؤں "پورہ ڈونہار" کی مسافت 30 کیلومیٹر تھی، عصر کے کچھ دیر بعد ہم لوگ نکلے اور فوراً فور لائن NH 53 روڈ پر آ گئے، یہ راستہ بہت جلد طے ہو گیا۔ دربھنگہ عبور کرنے کے بعد عام روڈ پر آ گئے اور چھوٹے بڑے روڈ سے گزرتے ہوئے مغرب کی نماز کے بعد مفتی صاحب کے گھر پہنچ کر سب سے پہلے نماز مغرب ادا کی گئی، اسی گھر میں مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی کا قیام رہتا تھا، بالخصوص وفات کے دو سال پہلے سے۔ اب یہ مکان مفتی صاحب کے بڑے بیٹے مولانا احمد سجاد صاحب کی تحویل میں ہے، جب کہ منجھلے صاحب زادے کا عالیشان مکان کچھ فاصلے پر بنا ہوا ہے، تیسرے سب سے چھوٹے صاحبزادے محترم ابوبکر عباد ہیں جو دہلی یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں، ان کا خوبصورت گھر سامنے ہی موجود تھا، عباد صاحب کی فیملی دہلی میں مقیم ہے۔

مفتی صاحب کا گھر اگرچہ دیہات میں ہے، مگر وہاں سے پختہ سڑکوں کا گزر ہے، اس لیے آمد و رفت آسان رہتی ہے، وہاں دیگر سہولیات بھی فراہم ہیں، سرکاری پرائمری اسکول اور سرکاری مدرسہ بھی ہے۔ اس مدرسے کو بہار سرکار تنخواہ دیتی ہے۔ البتہ یوپی کے مقابلے میں انہیں تنخواہ نصف ملتی ہے۔ صبح کو فجر کی نماز کے بعد ہم لوگ مفتی صاحب کی قبر پر فاتحہ خوانی کیلئے پہنچے، جو سامنے ایک مدرسہ شمس العلوم کے احاطے میں واقع ہے، نومبر کا مہینہ تھا، سردیاں شروع ہو چکی تھیں، مدرسہ میں ہری ہری گھاس پر شبنم پڑی ہوئی تھی، قبر پر اُگی ہوئی خودرو گھاس بھی شبنمی تھی، ان کی قبر پر حاضر ہو کر ایصال ثواب کے بعد مفتی صاحب کو دعائیں دی گئی:

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

ہم لوگوں نے اس عالم، شیخ، مصنف، متقی اور منکسر المزاج شخص کی قبر پر فاتحہ خوانی میں مصروف تھے جس کی پوری زندگی درس قرآن وحدیث اور فقہ وفتاویٰ میں گزری، آج اس بے نام ونشان قبر پر ہم کھڑے ہوکر محبت وعقیدت کے دو پھول پیش کرنے اور ان سے شیفتگی کے اظہار میں دو آنسو بہانے آئے تھے جس نے اپنی تصنیفات اور فقہی خدمات سے نہ صرف اپنے اس غیر معروف گاؤں اور علاقے کو علمی دنیا میں روشن اور مشہور کیا بلکہ اپنی خداداد صلاحیتوں اور قابلِ تعریف کاموں سے دارالعلوم دیوبند کی نیک نامی میں بھی اضافہ کیا۔ آج آسمان علم وعمل کا وہ متحرک اور روشن ستارہ زمین کا پیوند بن کر محو استراحت ہے، مگر اس کے علم کی روشنی ابھی بھی دنیائے علم کو منور کر رہی ہے اور قیامت تک کرتی رہے گی۔

مولانا احمد سجاد صاحب نے بتایا کہ فی الحال مدرسہ کورونا وائرس کے بعد بند ہے۔ بچے سرکاری مدرسے میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، پھر انہوں نے مدرسہ میں موجود لائبریری دکھائی، جس میں مفتی صاحب کی ذاتی کتابیں تھیں؛ جو دیوبند میں موجود تھیں، اور دارالعلوم دیوبند سے آتے وقت ساتھ لائی گئی تھیں۔ ہر موضوع پر مفتی صاحب نے اپنی ذاتی دلچسپی کی بناء پر کتابوں کا کافی ذخیرہ جمع کر لیا تھا جو قابلِ تعریف ہونے کے ساتھ لائقِ استفادہ ہے۔ جس وقت ہم لوگ مفتی صاحب کے گھر پہنچے اس وقت سے ان کی فیملی خدمت ضیوف میں لگی ہوئی تھی، بالخصوص ان کے پوتے دوڑ دوڑ کر تمام سہولیات فراہم کرنے میں خوشی محسوس کر رہے تھے، دوسری جانب مفتی ریاست علی صاحب رام پوری جو مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی کے بہت خاص شاگرد اور ان کے مخصوص خادم تھے وہ مفتی صاحب کے ساتھ اپنی یادوں اور ملاقاتوں کی لذیذ حکایتیں بیان کرتے جاتے تھے، اور وفات سے قبل کی بہت ساری باتیں وہ مولانا احمد سجاد صاحب سے دریافت کر رہے تھے۔ ہم لوگ مفتی صاحب کے شاگرد تو نہیں تھے۔ لیکن ہمارے دور طالب علمی میں وہ دیوبند میں موجود تھے اور دارالافتا دیوبند میں فقہی خدمات انجام دیتے تھے۔

مولانا احمد سجاد صاحب باذوق اہل علم وادب ہیں اور کچھ دنوں پہلے تک شعر وشاعری سے بھی تعلق رکھتے تھے، ان کا شعری مجموعہ "غبار شوق" شائع ہوکر اسی سال منظر عام پر آ گیا ہے، جسے انہوں نے ہمیں بڑی محبت سے پیش کیا۔ اب انہوں نے شاعری موقوف کر دی ہے اور والد مرحوم کے متروکہ علمی کاموں کے جمع کرنے، ترتیب دینے اور ان کی اشاعت میں مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت وتندرستی عطا فرمائے اور ان کے نیک ارادوں کی تکمیل کا انتظام فرمائے۔ آمین۔

مولانا نے اپنی ترتیب میں شائع شدہ مفتی صاحب کی کتاب "اکابر ومشاہیر ومعاصرین" جو تقریباً 500 صفحات پر مشتمل ہے اور وہ فرید بک ڈپو دہلی سے شائع ہوئی ہے، اسے ہدیہ میں پیش کیا، جو نہایت دلچسپ اور قابلِ مطالعہ ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے قارئین گزشتہ ایک سو سال کے علمی، سیاسی اور ثقافتی منظر نامے کو دیکھ سکتے ہیں۔ مولانا احمد سجاد صاحب نے یہ کتاب بھی ہمیں ہدیے میں عنایت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

رات کے کھانے پینے کے بعد دیر تک محفل علم وادب جمی رہی، انہوں نے ہم لوگوں کے سونے کا وہیں انتظام کیا جہاں مفتی صاحب قیام کرتے اور سوتے تھے۔ مچھروں سے تحفظ کے لیے انہوں نے مچھر دانی بھی تان دی اور پھر رات کو گیارہ بجے وہ شب بخیر کہہ کر ہم سے رخصت ہوئے۔

دوسرے دن ڈیڑھ بجے مفتی ریاست علی صاحب کا دہلی کے لیے جہاز تھا، مولانا نے پر تکلف ناشتے کے بعد گیارہ بجے گاڑی منگوا کر مفتی صاحب کو ایر پورٹ چھوڑا اور میں نے جب اسی دن چار بجے نکلنے اور مظفر پور سے سات بجے کی ٹرین پکڑنے کا تذکرہ، نیز یہاں دیہات سے گاڑی کے متعلق معلومات کی تو مولانا نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ گاڑی کا نظم کرنا ہمارا مسئلہ ہے، آپ بے فکر رہیں، آپ ہمارے مہمان ہیں۔ پھر دوپہر کو نماز ظہر کی ادائیگی اور کھانے کے بعد گاڑی منگوائی اور ہمیں دربھنگہ تک اکرام کا معاملہ کرتے ہوئے چھوڑا۔ ڈرائیور کو تاکید کر دی تھی کہ ان کو مظفر پور جانے والی بس پر خود بٹھانا اور سامان بھی اٹھانا۔ حکم کے مطابق ڈرائیور ہمیں اپنی گاڑی سے لے جا کر اچھی بس پر بٹھا کر واپس ہوا۔

مفتی صاحب کے گاؤں میں مسجد، مدرسہ اور دیگر ضروریات کی تکمیل کا انتظام ہے، البتہ ابھی بھی غربت وافلاس ان کے کچے مکانات اور پھوس کے جھونپڑوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہاں کے زیادہ تر علما مئو اور اس کے قرب وجوار کے تعلیم یافتہ ہیں۔ مولانا اویس صاحب، مولانا جاوید صاحب اور نہ جانے کتنے علماء ملے جو مئو شہر اور اس کے قصبے پورہ معروف اور خیر آباد کے پڑھے ہوئے تھے۔ مولانا جاوید صاحب نے بتایا کہ میں پورہ معروف کا صرف پڑھا ہوا

نہیں بلکہ وہیں پلا بڑھا بھی ہوں۔ میں بہت چھوٹا تھا جب وہاں گیا تھا، عربی پنجم تک کی میری تعلیم مدرسہ معروفیہ کی ہے۔ میرے اساتذہ میں مولانا شبیر احمد مشتاق، مولانا سرفراز صاحب، مولانا انیس الرحمن صاحب، اور مولانا عبدالودود صاحب مئوی ہیں۔ جب کہ ساتھیوں میں مولانا عبدالباسط، بلوہ، مولانا محمد طاہر بلوہ اور مولانا نیاز الرحمن بلوہ وغیرہ ہیں۔ ماشاء اللہ بہار کے علمائے کرام مئو اور اعظم گڑھ بلکہ یوپی کے اہل علم وفن کی قدر کرتے ہیں اور اس اعزاز پر مسرور ہیں کہ فلاں فلاں حضرات ہمارے استاذ ہیں۔

مولانا مفتی ثناء الہدی صاحب قاسمی، مولانا اختر امام عادل صاحب، مولانا حافظ محمد امتیاز صاحب اور دیگر علمائے کرام سے ملاقاتیں ہوئیں، مفتی ثناء الہدی صاحب قاسمی بھی مئو کے تعلیم یافتہ ہیں، جن کے مضامین روزانہ ہی اخبارات کی زینت بنتے ہیں، انہیں میں نے تبصرے کے لیے اپنی تصنیفات دیں اور درخواست کی کہ مفتی صاحب اس پر اپنے گہربار قلم سے تبصرہ لکھ دیں، انہوں نے اپنے ایک خادم کو وہ کتابیں دیدیں اور ہدایت کی کہ اس پر لکھنے کے لیے مجھے یاد دلا دینا۔ کئی دن گزر جانے کے بعد بھی ہنوز اس روحانی تقریب، اس کے ذمہ داران حضرات؛ بالخصوص مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز احمد صاحب قاسمی کی بے لوث خدمات کے نقوش ذہن پر ثبت ہیں۔ جس طرح وہ اکابر علما کے نام کو روشن کرنے میں مصروف ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی چہار دانگ عالم میں محبوبیت اور عزت نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

انصار احمد معروفی----------